غلط فہمی

ایم اے راحت

غلط فہمی

ایم اے راحت

ایک شاعر صفت شخص کا قصہ اس نے اپنی عمر کا سنہرا دور تلاش معاش میں گزار دیا تھا مگر اب بھی اس میں جوانی کا عزم و حوصلہ موجود تھا۔ ہمارے ہاں بعض لوگ اپنے مفاد کو حاصل کرنے کے لیے کیا کیا اقدامات نہیں کرتے۔ اس کی ایک جھلک آپ کو اس تحریر میں بھی مل جائے گی۔ ایک حسینہ کا احوال وہ فون پر ایک غلط شخص سے رابطہ کر بیٹھی تھی اور اسے ملنے کا وقت بھی بتا دیا تھا مگر جب وہ اس سے ملی تو اصل شخص قتل ہوچکا تھا۔ اس طرح بعض پیچیدگیاں پیدا ہوگئیں جو معاملات کو الجھاتی ہی رہیں۔ اصل حقائق تک پہنچنے کے بعد معلوم ہوا کہ......!!

آپ کے پسندیدہ مصنف کے قلم سے ایک پیچیدہ مگر دلچسپ تحریر

عامر سہیل بنیادی طور پر ایک شاعر تھا۔ لیکن حالات نے اسے مکمل شاعر نہ بننے دیا۔ طالب علمی کے زمانے میں اس نے کئی نظمیں اور غزلیں کہیں جو بہت پسند کی گئی تھیں۔ وہ معصوم تخلص کرتا تھا اور اپنے شہر کے ادبی حلقوں میں خاصا جانا پہچانا جاتا تھا۔ لیکن جب وہ تعلیم سے فارغ ہوا۔ تو اس کے والد کا انتقال ہوگیا اور اسے آبائی کاروبار کا سارا انتظام سنبھالنا پڑا۔

اس کا خیال تھا کہ وہ کاروبار کسی قابل اعتماد منیجر کے سپرد کر کے چند مہینوں کے لیے خود پس منظر میں چلا جائے گا اور اس طرح اسے اپنے شاعرانہ ذوق کی تسکین کے لیے کافی سے زیادہ وقت مل جائے گا۔ لیکن یکے بعد دیگرے تین منیجروں کو غبن کے الزام میں نوکری سے نکالنے کے بعد عامر سہیل معصوم اس نتیجے پر پہنچا کہ کاروبار مالک کی نگرانی کے بغیر نہیں چل سکتا۔ لہٰذا اس نے معصوم کو فارغ کردیا اور عامر سہیل مینیجنگ ڈائریکٹر کی کرسی پر بیٹھ گیا۔

اس کے اندر کا شاعر سسکتا رہا اور وہ کاروبار کرتا رہا۔ جب وہ اڑتالیس سال کی عمر کو پہنچا۔ تو اس نے اپنے نوجوان بیٹے کو اپنی کرسی پر بٹھا دیا اور خود کندھے جھاڑ کر گھر آگیا۔ اس کی شاعرانہ نظروں نے اپنے اردگرد کا جائزہ لیا۔ پہلی بات جو اس کے دل میں خنجر کی طرح اتر گئی وہ یہ تھی کہ وہ ایک موٹی اور بھدی عورت کا شوہر تھا۔

دوسری تکلیف دہ چیز اسے آئینے نے دکھائی تھی۔ آئینے کے اندر اسے ایک معمر اور خشک مزاج شخص نظر آیا۔ اس کے بال تیزی سے سفید ہو رہے تھے اور پیٹ بھونڈے طریقے سے باہر نکلا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر اسے حیرانی بھی ہوئی اور دکھ بھی۔ وہ ابھی تک خود کو ایک اسمارٹ نوجوان سمجھتا رہا تھا۔ کاروباری مصروفیات نے اس کی زندگی کے بہترین پچیس سال کو ایک جھٹکے میں نگل لیے تھے۔ جب انسان ذہنی اور جسمانی اعتبار سے فارغ ہو تو اسے نہ دکھائی دینے والی چیزیں بھی دکھائی دینے لگتی ہیں۔

عامر سہیل کئی روز تک دیکھتا رہا اور سوچتا رہا۔ پرانے کاغذات میں دبی ہوئی اسے اپنی چند پرانی غزلیں بھی دستیاب ہوگئیں۔ ان غزلوں کو پڑھ کر اس نے محسوس کیا کہ وہ مجرم تھا اس نے ایک شاعر کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ کاروبار نے اسے سفید سر خشک چہرے اور نکلے ہوئے پیٹ کے علاوہ کچھ نہیں دیا تھا۔ اس نے سوچا میں ماضی کو واپس نہیں لا سکتا۔ لیکن حال اور مستقبل کو ضرور سنوار سکتا ہوں۔ بس اس نے بالوں کو رنگ لیا اور اسمارٹ بننے کے لیے ورزش شروع کردی۔

سات آٹھ مہینوں کے اندر اس کا پیٹ صحیح حالت پر آگیا اور وہ اپنی عمر سے دس سال چھوٹا نظر آنے لگا۔ جب وہ رنگین شرٹ پہن کر خود کو آئینے میں دیکھتا تو اس کے ہونٹوں پر خود بخود مسکراہٹ نمودار ہو جاتی۔ بعض سوشل تقریبات میں اسے خوش فہمی ہونے لگی کہ کچھ لڑکیاں پرشوق نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی ہیں۔

اس کی بیوی۔ شازیہ انجم جو اس عرصے میں اس کے طور طریقے دیکھ رہی تھی۔ ایک روز بول ہی پڑی۔

"یہ تم کن چکروں میں پڑ گئے ہو؟" اس نے پوچھا۔ عامر سہیل اس وقت ٹینس کھیلنے جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ وہ سفید پتلون اور سفید شرٹ میں ملبوس تھا اور ہاتھ میں ریکٹ پکڑ رکھا تھا۔

"کیا مطلب" اس نے ریکٹ گھماتے ہوئے پوچھا۔

"لے ہائے۔" شازیہ انجم ہاتھ نچا کر بولی "ایسے بن رہے ہو جیسے کچھ پتہ ہی نہیں۔ میں سب دیکھ رہی ہوں۔ میں اندھی نہیں ہوں۔ یہ رنگ برنگے لباس، بالوں میں رنگ، صبح و شام ورزش اور ہر وقت بناؤ سنگھار۔"

"صفائی نصف ایمان ہے۔" عامر سہیل نے کہا۔ وہ اپنی دو سو پونڈ وزنی بیوی کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہا تھا۔

"جن کو ایمان کی فکر ہوتی ہے۔ وہ ریٹائرڈ ہوتے ہی تسبیح خرید لیتے ہیں، داڑھی رکھ لیتے ہیں اور عاقبت

سنوارنے کی فکر میں لگ جاتے ہیں۔"

"مقصد کی بیماری پہلے دنیا تو سنوار لیں۔" عامر سہیل نے کہا۔ "حور پری شاعر کون کافر ہوا ہے۔"

"دنیا تو تم خوب سنوار رہے ہو۔" شازیہ انجم نے کہا۔ پھر اچانک فکر مند ہوتی ہوئی بولیں۔ "کہیں تم دوسری شادی کے چکر میں تو نہیں؟"

"کوئی گناہ نہیں ہے۔" عامر سہیل نے کہا۔ "کوئی لڑکی نظر میں ہو تو بتانا۔"

"شرم تو نہیں آتی ایسی باتیں کرتے ہوئے۔"

"شادی میں کیا شرم؟"

"چند دنوں میں نانا بننے والے ہو۔ ایسی بات کسی اور کے سامنے منہ سے نہ نکال دینا اور ہاں یاد آیا۔ شہلا کا آج پھر خط آیا ہے۔ اس نے پھر مجھے فوراً آنے کا لکھا ہے۔ بڑی پریشان ہے بیچاری۔"

"میں نے تو تمہیں پچھلے ہفتے ہی کہا تھا چلی جاؤ۔"

"ہیں ہاں تم تو یہی چاہتے ہو کہ میں چلی جاؤں۔" شازیہ بیگم نے کہا۔ "تاکہ تمہیں گل چھرے اڑانے کا موقع مل سکے۔"

عامر سہیل عورتوں کی نفسیات خوب جانتا تھا۔ جلدی سے بات بناتا ہوا بولا۔

"ویسے تمہیں کچھ روز کے لیے رکنا پڑے گا۔ اگلے ہفتے گیلانی صاحب یورپ سے آرہے ہیں۔ ساتھ میں ان کی بیگم بھی ہوں گی۔ وہ ایک ہفتہ ہمارے ساتھ ہی قیام کریں گے۔"

"یہ تمہارے گیلانی صاحب نے اسمگلنگ تو شروع نہیں کر دی۔ ابھی تو چھ سات مہینے پہلے تو یہاں سے ہو کر گئے ہیں۔"

"کچھ خوف خدا کرو بیگم! گیلانی صاحب! شریف آدمی ہیں۔ پھر ان کا کاروبار اچھا خاصا چل رہا ہے۔ غالباً اپنی بھتیجی کی شادی میں شریک ہونے آرہے ہیں۔ تمہارے ہاتھ کے پکے ہوئے کھانوں کی بہت تعریف کر رہے تھے۔"

"جبھی ہاں ہم نے تو ہوٹل کھول رکھا ہے نا تمہارے دوستوں کے لیے خود ہی پکانا اور خود ہی مہمان نوازی کرنا۔ میں کل ہی اپنی بیٹی کے پاس جا رہی ہوں۔ کاشف بھی میرے ساتھ جائے گا۔"

"یہ اتنا بڑا گھر کون سنبھالے گا؟"

"تم۔۔۔ اور کون۔" شازیہ انجم نے کہا۔ "صبح اٹھ کر ورزش کرنے کے بجائے گھر کی صفائی کرنا ناشتا بنانا اور کھانا تیار کرنا۔"

"اور وہ ملازمہ؟"

"میری عدم موجودگی میں ملازمہ کام کرنے نہیں آئے گی۔ میں اسے منع کر دوں گی۔"

"میں اتنا بھی بدذوق نہیں ہوں۔" عامر سہیل بیوی کا مطلب سمجھتا ہوا بولا۔ "بوڑھی عورت ہے۔ اپنا کام کر کے چلی جایا کرے گی۔"

"ارے اب تو تمہیں سب ہی بوڑھے نظر آنے لگے۔ وہ تم سے دس برس چھوٹی ہے۔ اکیلے مرد کا کیا بھروسہ میں کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتی۔ وہ آج ہی اخبار میں لکھا تھا کہ۔۔۔"

"میں پورا اخبار پڑھ چکا ہوں۔" عامر سہیل نے اس کی بات کاٹی اور ریکٹ گھماتا ہوا باہر نکل گیا۔

ہفتے کے روز شازیہ بیگم اپنے بیٹے کاشف کے ہمراہ اپنی بیٹی کے پاس چلی گئیں۔

اتوار کی صبح عامر سہیل حسب معمول علی الصباح بیدار ہوا تو اسے گھر بہت خالی خالی سا محسوس ہوا۔ اس وقت پانچ بج کر چالیس منٹ ہو چکے تھے۔ اس نے باورچی خانے میں جا کر ایک کپ چائے بنائی اور ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر پینے لگا۔ ایک ہاتھ میں اخبار پکڑ لیا۔ چائے کے بعد اسے حسب معمول طویل سیر کے لیے جانا تھا۔ یہ سیر اس کی ورزش کا ایک حصہ تھی۔

صبح کے وقت گرد و دھوئیں اور ٹریفک سے پاک سڑکیں بڑی اچھی معلوم ہوتی تھیں۔ وہ روزانہ دو ڈھائی میل پیدل چلتا تھا۔ چائے اور اخبار کے بعد جب وہ کریپ سول بوٹ پہن رہا تھا تو فون گھنٹی بجی۔ اسے خیال آیا کہ غالباً شازیہ بیگم نے بیٹی کے گھر پہنچنے کے بعد فون کیا ہے۔ وہ ڈرائنگ میں گیا۔ ریسیور اٹھا کر کندھے اور سر کے درمیان پھنسایا اور تسمے باندھتے ہوئے "ہوں" سے ملتی جلتی ایک آواز نکالی۔

دوسری طرف لمحہ بھر کے لیے خاموشی چھائی رہی۔ پھر ہلکی سی سسکی سنائی دی۔ عامر سہیل بھنویں سکوڑ کر رہ گئے۔

"جاؤ! میں نہیں بولتی تم سے!" ریسیور میں ایک نسوانی آواز ابھری۔ آواز اتنی پرتاثر اور دردانگیز تھی کہ عامر کے تمام شاعرانہ جذبات بیدار ہو گئے۔ وہ یہ تو سمجھ گیا تھا کہ اس کا نمبر غلطی سے مل گیا تھا۔ لیکن وہ اس خوب صورت اور سریلی آواز کو اتنی جلدی جدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"مجھے ساری رات نیند نہیں آئی۔" لڑکی نے مزید کہا۔

"نیند تو مجھے بھی نہیں آئی۔" عامر سہیل نے ہولے سے کہا۔ تاکہ لڑکی اس کی آواز نہ پہچان لے۔

"ہونہہ جھوٹ مت بولو۔" لڑکی نے کہا۔ پھر دھیمی آواز میں بولی۔ "تمہاری بیوی جاگ تو نہیں رہی؟"

"بیوی گئی۔" عامر سہیل نے کہا اور دل میں سوچا کہ یہ لڑکی کسی شادی شدہ شخص سے چکر چلا رہی ہے۔

"کیا مطلب کہاں گئی؟" لڑکی نے پوچھا۔

"رات کو ہماری لڑائی ہو گئی تھی۔" عامر سہیل بدستور دھیمی آواز میں بول رہا تھا۔ "وہ اپنے ابو کے گھر چلی گئی ہے۔"

"رات کو جس طرح تم مجھے ناراض کر گئے تھے اس کا مجھے بھی افسوس تھا۔ میں اسی وقت سمجھ گئی تھی کہ گھر جا کر ضرور گڑبڑ کرو گے۔ اب ملاقات کب کر رہے ہو؟"

"آج صبح؟"

"ابھی تو میں سوؤں گی۔ اب مجھے اطمینان سے نیند آئے گی۔ بارہ بجے اٹھوں گی۔ ایسا کرو۔ تم ڈیڑھ بجے آ جانا۔ ہم کہیں جا کر لنچ کریں گے۔"

اب مشکل مرحلہ درپیش تھا۔ عامر سہیل کو کچھ پتہ نہیں تھا کہ وہ لڑکی کون تھی اور کہاں رہتی تھی۔ اس نے سوچا 'سوری رانگ نمبر' کہہ کر بات ختم کر دینی چاہیے۔ لیکن اندر چھپے ہوئے شاعر نے کہا۔ "جس لڑکی کی آواز اتنی خوب صورت ہے وہ خود کتنی خوب صورت ہو گی۔ ایک دفعہ ضرور ملاقات کرنی چاہیے۔" لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ ملاقات کیسے ہو سکتی ہے۔

"کہاں چلے گئے شاہ؟"

"دراصل آج ایک بجے میں نے ایک صاحب کو ملاقات کا وقت دیا ہوا ہے۔ میں ایسا کرتا ہوں کہ اپنے ایک دوست کو بھیج دیتا ہوں۔ وہ تمہیں اپنی کار میں پک کر لے گا۔"

"پہلے تو تم مجھے اپنے دوستوں کی ہوا بھی نہیں لگنے دیتے تھے۔"

"یہ ذرا مختلف قسم کا دوست ہے۔ تھوڑا سا شاعر بھی ہے۔"

"نام کیا ہے؟"

عامر سہیل پہلے اپنا نام بتانے لگا تھا۔ پھر مناسب نہیں سمجھا۔ قدرے تامل کرتا ہوا بولا۔ "اس کا نام معصوم ہے۔"

لڑکی نے قہقہہ لگایا۔ "عجیب نام ہے۔ ضرور کوئی دقیانوسی قسم کا آدمی ہو گا۔"

یہ سن کر عامر سہیل کو افسوس ہوا کہ اس خوب صورت آواز نے اس کے تخلص کو پسند نہیں کیا تھا۔ ہر شاعر کی طرح وہ بھی اپنی کسی چیز کا ناپسند کیا جانا پسند نہیں کرتا تھا۔

"جب تم اس سے ملو گی تو تمہیں اپنا نقطہ نظر تبدیل کرنا پڑے گا۔" اس نے کہا۔ "اچھا سنو تمہیں کہیں باہر اس کا انتظار کرنا پڑے گا۔ مثلاً کسی بس اسٹاپ پر۔"

"تم آج کیسی باتیں کر رہے ہو؟" لڑکی کے لہجے میں الجھن پیدا ہو گئی تھی۔ "کیا میں ہمیشہ ہی بس اسٹاپ پر انتظار نہیں کرتی؟ لیکن معصوم صاحب مجھے پہچانیں گے کیسے؟"

"یہی تو میں کہنا چاہ رہا تھا۔" عامر سہیل نے جلدی سے کہا۔ ابھی اسے یہ بھی معلوم کرنا تھا کہ لڑکی کس بس اسٹاپ کی بات کر رہی تھی۔

"میں ایسا کروں گی کہ بس اسٹاپ کے بجائے سوشل ویلفیئر پارک کے سامنے کھڑی ہو جاؤں گی۔"

"سوشل ویلفیئر پارک!"

"آج تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ تم سب کچھ ہی بھولتے جا رہے ہو! ادیان کالونی کے سامنے جو پارک ہے وہی تو سوشل ویلفیئر پارک ہے۔"

"اوہ اچھا سمجھ گیا۔ دراصل اس شہر میں اتنی زیادہ عمارتیں بن گئی ہیں کہ ہر عمارت کا نام یاد رکھنا ناممکن ہے۔ ٹھیک ہے۔ میں ٹھیک ... میرا مطلب ہے کہ معصوم صاحب ٹھیک ڈیڑھ بجے وہاں پہنچ جائیں گے۔ ان کے پاس اورنج رنگ کی گاڑی ہے۔ ٹیڈ مارک ون نمبر نوٹ کر لو۔"

گاڑی کا نمبر نوٹ کرنے کے بعد لڑکی نے کہا۔ "ایسا نہ ہو کہ میں معصوم صاحب کا انتظار ہی کرتی رہ جاؤں۔ آج تو عجیب بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔ تمہاری آواز بھی بیٹھی بیٹھی سی ہے۔"

"گلا خراب ہے۔ رات کو اچار کھا لیا تھا۔"

"کیا؟" لڑکی نے حیرانی سے کہا۔ "رات کے کھانے میں اچار تو نہیں تھا۔ کیا گھر جا کر دوبارہ کھانا کھایا تھا؟"

"ہاں یار بیوی کو بھی تو خوش رکھنا پڑتا ہے۔"

"اچھا خدا حافظ۔" لڑکی کے جمائی لینے کی آواز عامر سہیل کے کانوں میں آئی۔

"نیند آ رہی ہے۔"

فون بند ہو گیا۔ عامر سہیل نے عجیب سی کسک محسوس کی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ لڑکی بولتی رہے اور وہ سنتا رہے۔ اس نے حسرت کے ساتھ سوچا کاش کوئی خوش شکل اس کے لیے بھی آہیں بھرے اور اس کی جدائی میں راتیں رات بھر جاگتی رہے۔

کسی نے اس کے کان میں کہا۔ "عامر سہیل شرم کرو۔ وہ لڑکی تمہاری بیٹی کے برابر ہوگی۔" یہ آواز اس کے ضمیر کی تھی۔ لیکن ضمیر کی آواز پر کون کان دھرتا ہے۔

اسی لمحے کسی نے بڑے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ ساتھ ہی گھنٹی بھی بجائی گئی۔ بہت عجلت میں معلوم ہوتا تھا۔ عامر سہیل نے جلدی سے جا کر دروازہ کھولا۔ تو دیکھا سامنے ان کی ملازمہ انوری کھڑی تھی۔

"سلام صاحب!" اس نے کہا۔ "ہم ۔۔۔ میں کام کرنے آئی ہوں۔" وہ خاصی گھبرائی ہوئی لگ رہی تھی۔

"اتنی صبح!" عامر سہیل نے حیرانی سے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ بیگم صاحبہ نے تمہیں منع کر دیا تھا۔"

انوری اجازت ملے بغیر اندر داخل ہو گئی۔ پھر بولی "کوئی بات نہیں جی! میں نے سوچا آپ کو کھانے پینے کی تکلیف نہ ہو۔ آپ آرام کریں جی ۔۔۔ میں آپ کے لیے ناشتا تیار کر دیتی ہوں۔ دوپہر کے کھانے میں آپ کیا کھائیں گے؟ سبزی آپ خود لائیں گے یا میں لے آؤں۔"

عامر سہیل حیرت سے آنکھیں پھیلائے اسے گھورنے لگا۔ وہ خاصی بدحواس معلوم ہوتی تھی۔ اس کا سانس بھی پھولا ہوا تھا۔ عامر سہیل نے اس کے پیروں کی طرف دیکھا۔ تو ایک عجیب بات نظر آئی۔ انوری کے پیر میں جوتی نہیں تھی اور پیر تھوڑا سا زخمی بھی تھا۔

"انوری بات کیا ہے؟ تم گھبرائی ہوئی کیوں ہو۔ تمہارے ایک پیر میں جوتی بھی نہیں ہے۔"

"جی وہ بس ۔۔۔ ایک کتا میرے پیچھے پڑ گیا تھا۔ ہم میں ڈر کر بھاگی تو گر پڑی۔ جوتی وہیں رہ گئی۔"

"اچھا اچھا کوئی بات نہیں۔" عامر سہیل نے کہا۔ "میں تمہیں پلاسٹر لا دیتا ہوں۔ چوٹ پر لگا لینا۔ آؤ میرے ساتھ۔"

اس نے الماری سے پلاسٹر کی پٹی نکال کر انوری کو دی۔ پھر دوسری الماری سے اپنی بیوی کی متروک جوتیوں کے ڈھیر سے ایک سینڈل کی جوڑی نکال لایا۔ "یہ جوتی پہن لو۔" اس نے انوری سے کہا۔ "اور یہ اکلوتی جوتی ... تھی۔"

انوری ... آٹھ مہینوں سے ان کے ہاں کام کر رہی تھی لیکن عامر سہیل نے کبھی اس کی طرف غور سے نہیں دیکھا تھا۔ آج اس نے پہلی بار اسے اچھی طرح سے دیکھا تھا۔ جیسا کہ اس کی بیوی نے کہا تھا وہ اتنی بوڑھی نہیں تھی۔ اس کی عمر پینتیس چھتیس سال کے لگ بھگ معلوم ہوتی تھی۔ خاصی صحت مند ... تھی۔

ناشتے کے دوران عامر سہیل نے اس سے کہا۔ "تم ... آج اتنی جلدی نہیں آئیں۔ کیا تمہارے گھر ... کوئی نہیں ہے؟"

"میں ... بچے ہیں جی اور ایک بوڑھی خالہ ہے۔ ... خالہ تو نہیں ہے لیکن بہت اچھی ہے۔ بے ... ہماری طرح بے سہارا ہے۔"

"بے سہارا! کیا تمہارا شوہر نہیں ہے؟"

"میرے شوہر دس سال قبل ساٹھ سال کی عمر میں ... ہو گئے تھے۔"

"ساٹھ سال کی عمر میں!" عامر سہیل نے حیرانی سے کہا۔ "یعنی اگر زندہ ہوتے تو اس وقت ستر کے ... تمہاری عمر کتنی ہے؟"

"اگلی سالگرہ پر میری عمر سینتیس برس ہو جائے گی۔ شادی کے وقت میری عمر سترہ برس تھی اور ... شوہر کی عمر پچاس برس۔"

عامر سہیل نے محسوس کیا کہ وہ پڑھے لکھے لوگوں کی طرح باتیں کر رہی تھی۔ لہٰذا اس نے پوچھا کہ "تمہاری تعلیم کتنی ہے؟"

"میٹرک" انوری نے جواب دیا۔ ساتھ ہی اس کے ... بے اختیار آہ نکل گئی۔

"کیا واقعی! تم نے پہلے تو کبھی اس بات کا ذکر نہیں ..."

"... فائدہ ... اپنے زخموں کو کریدنے کا۔ آج کل کون کسی کی پریشانیوں کا حال سنتا ہے۔" اس کی آنکھوں میں آنسو جھلکنے لگے۔

"تم نے ایک بوڑھے آدمی کے ساتھ اپنی مرضی سے شادی کی تھی یا والدین کے مجبور کرنے پر؟"

"بس جی وہ ایک حادثہ تھا۔ جو ہو گیا۔ لیکن میری بربادی کا سبب یہ نہیں ہے کہ میں نے ایک بوڑھے سے شادی کر لی بلکہ میری تباہی کا سبب یہ ہے کہ معاشرے نے میری پسند کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے اپنی پسند سے شادی کی تھی۔" عامر سہیل نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔ "ذرا تفصیل سے اپنی کہانی سناؤ۔"

"میرا اصل نام انوری نہیں ہے۔" اس نے کہا۔ "میں ایک درمیانے طبقے کے کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں۔ لیکن میں نہ تو اپنا اصل نام بتاؤں گی اور نہ ہی اپنے خاندان کے بارے میں کچھ بتاؤں گی۔ یہ آج سے بیس سال پہلے کی بات ہے۔ میں انٹر میں پڑھتی تھی اور ڈاکٹر بننا چاہتی تھی۔ لیکن پتہ نہیں کیسے مجھے اپنے ایک پروفیسر سے محبت ہو گئی۔ اس کی عمر آپ جتنی ہو گی اور بالکل آپ کی طرح ہی اسمارٹ تھے۔ ہم نے چھپ کر شادی کر لی۔ جب میرے ماں باپ اور بہن بھائیوں کو اس بات کا پتہ چلا تو انہوں نے بہت ہنگامہ کیا لیکن ہنگامہ کرنے سے کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ بالآخر ان سب نے مجھ سے قطع تعلق کر لیا۔ میرے شوہر شادی شدہ تھے اور پانچ بچوں کے باپ تھے۔ لیکن انہوں نے میرے ساتھ بے وفائی نہیں کی۔ پہلے وہ مجھے اپنے گھر لے گئے۔ لیکن ان کے بیوی بچوں نے ہمارے خلاف محاذ بنا لیا۔ لہٰذا انہوں نے میرے لیے ایک چھوٹا سا مکان کرائے پر لے لیا۔ چند ماہ بعد میں ایک بچی کی ماں بن گئی اور اس طرح مزید تعلیم سے محروم رہ گئی۔ شادی کے دس سال بعد میرے شوہر اللہ کو پیارے ہو گئے اور میں تین بچوں سمیت بے آسرا ہو گئی۔"

"تمہارے بہن بھائیوں نے تمہیں سہارا نہیں دیا؟"

"میں نے کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلائے۔ میرے تین بھائی اور دو بہنیں ہیں۔ سب خوش حال

اور صاحب حیثیت ہیں۔ بھائی اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں
اچھا کھاتے کماتے ہیں لیکن مجھ سے ان کا کوئی تعلق
نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ مجھ سے ملنے جلنے سے ان کی
رسوائی ہوتی ہے۔ نہ میں ان کے گھر جا سکتی ہوں۔ نہ وہ
میرے گھر آتے ہیں۔ جب میرے شوہر کا انتقال ہوا تو
انہوں نے مجھے کچھ خیرات دینے کی کوشش کی تھی۔
لیکن میں نے انکار کر دیا۔ میں محتاج بن کر کیوں لیتی۔
آپ جیسے خدا ترس لوگوں کے دم سے گزارہ ہو رہا
ہے۔"

"تمہیں دوسری شادی کر لینی چاہیے تھی۔" عامر
سہیل نے کہا۔

"تین بچوں کی ماں سے کون شادی کرتا ہے۔ جی!
آج کل تو کنواری لڑکیوں کو رشتے نہیں ملتے۔ پھر میں
نے جو پروفیسر صاحب کے ساتھ جو دس سال گزارے
ہیں وہ میری زندگی کے بہترین سال تھے۔ ان جیسے نرم
مزاج، پیار کرنے والا اور خیال رکھنے والا شوہر اب
کہاں مل سکتا۔"

"ایک بات تو بتاؤ۔" عامر سہیل نے کہا۔ "کیا
تمہیں کبھی افسوس نہیں ہوا کہ تم نے کیوں ایک
بوڑھے اور شادی شدہ مرد کے ساتھ شادی کر لی۔"

"کبھی نہیں ہرگز نہیں۔" انوری نے سخت لہجے
میں کہا۔ "مجھے ایک لمحے کے لیے بھی افسوس نہیں
ہوا۔ دنیا کی نظروں میں ہو سکتا ہے وہ بوڑھے ہوں۔
لیکن مجھے وہ کبھی بوڑھے نہیں لگے۔ وہ بے شمار
خوبیوں کے مالک تھے۔ انہوں نے کبھی کسی بات پر
تنگ نہیں کیا تھا۔ میرے ساتھ کبھی دھوکہ نہیں کیا
اور مجھ سے کوئی بات نہیں چھپاتے تھے۔ اپنی پہلی
بیوی کے ساتھ بھی اتنا ہی اچھا سلوک کرتے تھے۔ اگر
کوئی چیز دیتے تو مجھے بتا دیتے تھے۔ کبھی اس کے
لیے اچھی کوئی چیز میرے لیے لے آتے تھے۔
کبھی میرے ہاتھ کی پکی ہوئی چیز اس کے لیے لے
جاتے۔ ان کی باتوں میں بڑی کشش تھی۔ ان کے
منہ سے سوکن کی باتیں بھی بری نہیں لگتی تھیں۔ دل
میں رقابت پیدا نہیں ہوتی تھی۔" عامر سہیل نے

گھڑی پر نظر ڈالی اور بولا۔ "بہت دیر ہو گئی۔"

"معاف کر دیجئے جی میری وجہ سے آپ کا وقت ضائع
ہوا۔"

"کوئی بات نہیں کوئی بات نہیں اب تم اپنا کام
سنبھالو۔ بارہ بجے تک فارغ ہو کر چلے جانا۔"

انوری نے کھانے کے بارے میں ضروری باتیں
پوچھیں اور باورچی خانے میں چلی گئی۔

عامر سہیل کل فون کرنے والی لڑکی کے بارے میں
سوچنے لگا۔ اس کے ذہن میں خاصی کش مکش ہو رہی
تھی۔ دل اس خوب صورت آواز کی طرف کھنچا چلا جا
رہا تھا۔ لیکن دماغ کہہ رہا تھا۔ کہ اس عمر میں کوئی
اسکینڈل ہو گیا تو کیا ہو گا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ لڑکی
کو رانگ نمبر کے بارے میں بتا کر معذرت کر لے گا۔
گھر سے نکلتے ہوئے اس نے آئینے میں اپنا جائزہ لیا اور
بالوں میں جہاں کہیں سفیدی جھلکنے لگی تھی۔ وہاں
کنگھی کرنے لگا۔

ایک بج کر ستائیس منٹ پر اس کی ہارک وان
سوشل ویلفیئر پارک کے کونے پر پہنچ کر رک گئی۔ اس
وقت وہ جامنی رنگ کی ٹی شرٹ میں ملبوس تھا اور
آنکھوں پر دھوپ کا چشمہ رکھا تھا۔ اس نے احتیاط کے
ساتھ پارک کے چاروں اطراف نظریں دوڑائیں۔ ایک
بھاری جسم کی عورت جو سبز رنگ کی پھولدار ساری میں
ملبوس تھی۔ کار کی نمبر پلیٹ دیکھتی ہوئی آگے بڑھی۔
اس کا رنگ سانولا نقوش موٹے اور عمر چالیس سے اوپر
ہو گی۔

عامر سہیل کے چہرے پر بدحواسی نمودار ہو گئی۔
اس کی حالت اس شکاری کی سی ہو گئی جو ہرن کا شکار
کرنے نکلا ہوا ہو اور اچانک گینڈے سے سامنا ہو گیا
ہو۔ اس کا ہاتھ بے اختیار گیئر پر پہنچ گیا۔ اس نے جل
تو جلال تو۔ کہتے ہوئے کار کو گیئر میں ڈال دیا۔ لیکن
اس وقت ایک ٹیکسی اس کا راستہ روکتے ہوئے سامنے
آ کر رک گئی۔

ساری میں ملبوس خاتون نے کار کا اگلا دروازہ کھولا
اور پسنجر سیٹ پر بیٹھ گئی۔

"معصوم صاحب؟" اس نے کہا اور تیز نظروں سے عامر سہیل کی طرف دیکھنے لگی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے کہہ رہی ہو کہ بچ کر کہاں جاؤ گے بچو۔

"جی... جی ہاں۔ جی ہاں" عامر سہیل نے کہا۔ "تش تش تشریف رکھیے۔"

"وہ تو میں رکھ چکی ہوں۔ آپ کار کو ذرا آگے لے چلیں۔"

عامر سہیل نے کلچ کو چھوڑ کر ایکسیلیٹر کو تھوڑا سا دبایا لیکن فوراً ہی بریک لگا دیا۔ کیونکہ آگے ٹیکسی کھڑی تھی۔ پھر اس نے کار کو بیک کیا اور آگے بڑھا دیا۔

"اس گلی کے کونے پر رک جائیں۔" عورت نے کہا۔

عامر سہیل نے گاڑی روک دی اور عورت کے اگلے حکم کا انتظار کرنے لگا۔ وہ چونک گیا۔ عورت کی آواز فون والی آواز سے بالکل مختلف تھی۔

"خاتون میں آپ کو پہچانا نہیں۔" عامر سہیل نے کہا۔

لیکن خاتون نے اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے کھڑکی سے باہر دیکھا اور گلی کے کونے پر کھڑی ہوئی ایک لڑکی کو اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا۔ عامر سہیل اس لڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ اٹھارہ انیس سال کی ایک خوب صورت لڑکی تھی۔ اس نے پھولدار قمیض اور گلابی رنگ کی شلوار پہن رکھی تھی۔ ہاتھ میں چند کتابیں، پرس اور ایک سفید اوور آل اٹھا رکھا تھا۔ حلیہ وہ میڈیکل کی طالبہ تھی۔ عامر سہیل کے ذہن میں فوراً یہ خیال آیا کہ وہ آواز جو اس نے سنی تھی یقیناً اس لڑکی کی تھی۔ وہ کسی قدر جھجکتی ہوئی کار کے قریب آئی اور سلام کرنے کے بعد پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ وہ جھجک ضرور رہی تھی۔ لیکن اس کے چہرے پر گھبراہٹ نہیں تھی۔ عامر سہیل نے جو بے چینی معمر عورت کو دیکھ کر محسوس کی تھی وہ دور ہو گئی تھی۔ لیکن یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ لڑکی عورت کو ساتھ کیوں لائی تھی۔

اگر وہ اپنے محبوب سے ملنا چاہتی تھی۔ تو اسے تنہا آنا چاہیے تھا۔

"چلیں معصوم صاحب!" عورت نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔ "تھانے لے چلیں۔"

"کیا؟" عامر سہیل بری طرح چونک گیا۔ "کہاں لے چلوں؟"

"تھانے یعنی پولیس اسٹیشن۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"مطلب وہیں چل کر سمجھ آئے گا۔"

"میرا خیال ہے کہ کچھ غلط فہمی ہوئی ہے۔" عامر سہیل نے رانگ نمبر والی بات بتانے کا ارادہ کیا۔ لیکن پھر بدل دیا اور لہجے کو سخت کرتا ہوا بولا "پلیز آپ کار سے اتر جائیں۔"

"ہم کار سے نہیں اتریں گے۔" عورت نے کہا۔ "اگر آپ نے زبردستی کرنے کی کوشش کی تو شور مچا دیں گے۔"

"آپ چاہتی کیا ہیں خاتون؟"

"آپ شہاب قریشی نے بھیجا ہے نا؟" لڑکی نے پہلی دفعہ گفتگو میں حصہ لیا۔ عامر سہیل نے فوراً اس کی آواز پہچان لی۔ فون پر اسی سے گفتگو ہوئی تھی۔

"دراصل کچھ غلطی ہو گئی ہے۔" عامر سہیل نے دوبارہ کہا۔ اگر وہ کہتے کہ ساری بات رانگ نمبر پر ہوئی تھی تو گویا یہ اقرار کرنا کہ اس نے لڑکی کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے اور غالباً وہ عورت اسی بنا پر تھانے کی بات کر رہی تھی۔ "مجھ سے صرف یہ کہا گیا تھا کہ یہاں سے ایک خاتون کو پک کرنا ہے۔"

"کس نے کہا تھا؟" عورت نے پوچھا۔

"میرے ایک دوست نے کہا تھا۔" عامر سہیل نے کہا۔ وہ کسی کا نام لینے سے احتراز کر رہا تھا۔

"یہی تو ہم جاننا چاہتے ہیں کہ آپ کے اس دوست کا نام کیا ہے؟"

"نام تو آپ کو بھی معلوم ہے۔ آپ کیا سمجھ کر میری کار میں آ بیٹھی ہیں؟ کسی نے آپ کو میری کار کا نمبر بتایا ہو گا۔ تبھی تو آپ یہاں انتظار کر رہی تھیں۔" عامر سہیل نے پر رعب لہجے میں کہا۔

"اوہو... تبھی آپ تو جرح کرنے لگے۔" لڑکی نے کہا۔ "چلیے ہم مانتے ہیں کہ ہم یہاں آپ کا انتظار کر رہے تھے اور آپ یہ مانتے ہیں کہ آپ ہمیں لینے آئے تھے۔ تو چلیں پھر جس دوست نے آپ کو بھیجا ہے ہمیں اس کے پاس لے چلیے۔"

عامر سہیل گھبراہٹ محسوس کرنے لگا۔ بولا "ہمارے درمیان جو غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے۔ وہ دور ہونی چاہیے۔ پہلے آپ یہ بتائیں آپ نے تھانے چلنے کی بات کیوں کی ہے۔ کیا مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہوئی؟"

دونوں عورتوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر ساڑی والی بولی "ٹھیک ہے شرمین بتا دو۔"

شرمین نامی لڑکی عامر سے مخاطب ہو کر بولی۔ "معصوم صاحب! بات یہ ہے کہ آج صبح میری شہاب سے بات ہوئی تھی۔ اس وقت چھ بجنے میں دس منٹ تھے۔ شہاب نے مجھے آپ کا نام اور آپ کی گاڑی کا نمبر بتایا اور کہا کہ آپ ڈیڑھ بجے مجھے یہاں سے لے جائیں گے۔ میں نے کوئی غلط بات تو نہیں کی؟"

"جی نہیں۔" عامر سہیل کو مجبوراً اقرار کرنا پڑا۔

"میں نے شہاب سے پانچ منٹ تک بات کی تھی۔" شرمین بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "زیادہ سے زیادہ دس منٹ تک بات کی ہو گی۔ یعنی جب میں نے فون بند کیا تو اس وقت تقریباً چھ بجے تھے اس کے بعد شہاب نے آپ کو فون پر یا بالمشافہ پیغام دیا ہو گا۔ اگر بالمشافہ پیغام دیا ہے۔ تو اس کا مطلب ہو گا کہ آپ اس وقت شہاب کے گھر پر موجود تھے۔"

"اس ساری بات چیت کا مقصد کیا ہے؟" عامر سہیل نے کہا۔

"مقصد یہ ہے کہ شہاب صاحب کو آج علی الصباح کسی نے قتل کر دیا ہے۔"

"یا اللہ خیر!" عامر سہیل نے گھبرا کر کہا۔ "یہ میں کس مصیبت میں پھنس گیا۔"

"یہ شہاب کی بڑی بہن نورین اسلم ہیں۔" شرمین نے کہا۔ پھر نورین اسلم سے مخاطب ہو کر بولی۔ "باجی باقی بات آپ خود ہی بتا دیں۔"

"میں تو یہ ساری باتیں تھانے میں کرنا چاہتی تھی۔" نورین اسلم نے کہا۔ "لیکن چونکہ تم نے یہ بات شروع کر دی ہے تو بتا دیتی ہوں بات یہ ہے معصوم صاحب کہ شہاب میرا اکلوتا بھائی تھا اور میں اس کے قاتل کو قبر تک پہنچا کر چھوڑوں گی۔ شہاب کی شادی صرف چار سال پہلے ہوئی تھی۔ اس کا گھر ہمارے گھر کے ساتھ ہی ہے۔ آج صبح تقریباً ساڑھے چھ یا پونے چھ بجے ہمارے دودھ والے نے کہا کہ شہاب صاحب کا دودھ بھی لے لیں۔ کیونکہ وہاں کوئی دروازہ نہیں کھول رہا۔ میں نے کوئی خیال نہیں کیا اور دودھ لے لیا۔ آٹھ بجے جب جمعدارنی نے بھی دروازہ نہ کھلنے کی شکایت کی تو تشویش ہوئی۔ میں نے پہلے سامنے والا دروازہ کھٹکھٹایا پھر پچھلے دروازے کو جا کر دیکھا تو وہ کھلا ہوا تھا اور... اور 'اوہ میرے خدا' اندر بیڈ روم میں شہاب کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ کسی نے اسے قتل کر دیا تھا۔"

"یقین کریں میں اس معاملے میں کچھ نہیں جانتا۔" عامر سہیل نے کہا۔ "میں آپ کے بھائی کو بھی نہیں جانتا۔ میں نے اسے دیکھا تک نہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کا گھر کہاں ہے۔"

"آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ ابھی آپ نے کہا ہے کہ آپ کو شہاب نے یہاں بھیجا ہے۔"

"دراصل یہ ساری غلط فہمی رانگ نمبر کی وجہ سے ہوئی ہے۔ صبح مس شرمین جب آپ کے بھائی کو فون کر رہی تھیں تو اتفاق سے میرا نمبر مل گیا۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" شرمین نے کہا۔ "میں نے خود شہاب سے بات کی تھی۔"

"یہ آپ کہہ رہے ہیں۔" نورین اسلم نے کہا۔ "کوئی بھی آپ کی بات پر یقین نہیں کرے گا۔ آپ اچھے خاصے معقول آدمی نظر آتے ہیں۔ کیا آپ شہاب بن کر شرمین سے بات کرتے رہے تھے؟"

"ہاں کچھ ایسی ہی بات سمجھیں۔"

"لیکن کیوں؟" نورین اسلم نے زور دے کر کہا۔ "آپ نے یہ کیوں نہیں کہا کہ یہ رانگ نمبر ہے؟"

عامر سہیل نے تامل کرتے ہوئے کہا "دراصل مس شرمین کی آواز اتنی دلنشین ہے کہ کہ مجھ سے رہا نہیں گیا۔ میرا دل چاہا کہ کچھ دیر یہ آواز سنتا رہوں۔"

نورین اسلم نے سر گھما کر شرمین کی طرف دیکھا۔ جو اپنی تعریف سن کر جھینپ سی گئی تھی۔

"دیکھئے ماناکہ آپ نے آواز سننے کے لیے بات بڑھائی تھی۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟"

"اسے آپ میری حماقت کہہ سکتی ہیں۔" عامر سہیل نے کہا۔ "یہ شعر سن کر شاید آپ پر میری حماقت مزید واضح ہو جائے گی۔

صرف اس شوق میں پوچھی ہیں ہزاروں باتیں
میں ترا حسن ترے حسن بیاں تک دیکھوں"

شعر سن کر شرمین کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"آپ ہمیں بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔" نورین اسلم نے کہا۔ "ہم یہ کیوں نہ سمجھ لیں کہ آپ اس وقت شہاب کے پاس موجود تھے۔ جب شرمین نے فون کیا۔"

"دیکھیے آپ غلط اندازے لگا رہی ہیں۔ میں آپ کے بھائی کو بالکل نہیں جانتا۔ یہ محض اتفاق تھا کہ مس شرمین کا فون غلطی سے میرے نمبر پر مل گیا۔ ثبوت کے طور پر میں ان کی تمام باتیں دہرا سکتا ہوں۔"

"اس سے کیا ثابت ہوگا؟" نورین اسلم نے کہا۔ "یہی کہ فون آپ نے ریسیو کیا تھا۔ لیکن یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ فون آپ نے کس جگہ ریسیو کیا تھا۔ اپنے گھر پر یا شہاب کے گھر پر چونکہ شرمین نے شہاب کو فون کیا تھا۔ اس لیے یہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ آپ نے فون شہاب کے گھر پر ریسیو کیا تھا۔ غالباً اس وقت آپ شہاب کو قتل کر چکے تھے۔ لیکن آپ نے شہاب بن کر فون پر بات کی تاکہ یہ ظاہر ہو کہ شہاب اس وقت زندہ ہے۔"

"شک ہے کیا آپ مجھ پر قتل کا الزام عائد کر رہی ہیں؟"

"نہیں یہ جانے کی کوشش کر رہی ہوں کہ آپ کی پوزیشن بہت زیادہ مشکوک ہے۔ آپ کو پولیس کے سامنے اپنی صفائی پیش کرنی پڑے گی۔"

"دیکھیے اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ بلکہ بات الجھ جائے گی۔ میں ایک معزز اور امن پسند شہری ہوں مجھ سے جو غلطی ہوئی ہے اس کا میں اعتراف کر چکا ہوں۔ اس سے زیادہ میرا اس معاملے سے کوئی اور تعلق نہیں ہے۔ مس شرمین! پلیز اپنی باجی کو سمجھائیں۔ مجھ سے جو غلطی ہوئی ہے۔ اس پر میں جرمانہ دینے کو تیار ہوں۔ میں کوئی چلتا پھرتا آوارہ شخص نہیں ہوں۔ آپ میرا کارڈ رکھ لیں۔" اس نے بٹوے سے اپنا تعارفی کارڈ نکال کر شرمین کی طرف بڑھایا۔ "اس میں میرے گھر اور دفتر کا پتہ موجود ہے۔"

شرمین نے کارڈ پر نظر ڈالی۔ اس پر لکھا تھا۔ "عامر سہیل منیجنگ ڈائریکٹر کراؤن انڈسٹری۔" شرمین نے ہولے سے اپنی سیاہ پلکیں اٹھا کر عامر سہیل کی طرف دیکھا اور اسے اپنی طرف متوجہ پا کر جلدی سے آنکھیں نیچی کر لیں۔ پھر بولی "اس پر تو عامر سہیل لکھا ہوا ہے۔"

"ذرا دکھانا تو۔" نورین اسلم اس کے ہاتھ سے کارڈ لیتے ہوئے بولی۔ "آپ نے تو اپنا نام معصوم بتایا تھا۔ یہ عامر سہیل کون ہے؟"

"معصوم میرا تخلص ہے۔ میں کالج کے زمانے میں شاعری بھی کرتا تھا۔"

"کیا آپ کراؤن انڈسٹریز کے مالک ہیں؟"

"جی ہاں سول پروپرائٹر۔"

نورین اسلم دوبارہ کارڈ کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ عامر سہیل کے بارے میں مختلف انداز میں سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ پہلے وہ اس کی نظر میں ایک اجنبی تھا۔ ایک فرد تھا۔ جس کی قیمت ایک اکائی سے زیادہ نہیں تھی۔ لیکن تعارف کے بعد وہ اس کی نظر میں ایک صاحب حیثیت شخص بن گیا تھا۔ ایک ایسا شخص جسے کہیں گھسیٹ کر لے جانے کی ضرورت نہیں تھی۔

"عامر صاحب! اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ ایک باحیثیت آدمی ہیں۔" اس نے کہا۔ "میں آپ کو پولیس اسٹیشن لے جانے پر اصرار نہیں کروں گی۔ لیکن ایک بات بتا دیتی ہوں کہ میں پولیس کے سامنے آپ کا ذکر ضرور کروں گی۔"

"اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ سوائے اس کے کہ میری بدنامی ہوگی۔ بلکہ مس شرمین اور آپ کے مرحوم بھائی کے تعلقات بھی منظر عام پر آ جائیں گے۔"

یہ سنتے ہی شرمین کے چہرے پر گھبراہٹ نمودار ہو گئی۔

"کیسے تعلقات؟" نورین اسلم نے حیرانی سے پوچھا۔

عامر سہیل نے ٹیلی فون والی گفتگو کے حوالے سے بات کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن شرمین کی گھبراہٹ دیکھ کر ارادہ بدل دیا۔ بولا "میرا مطلب ہے کہ اخبار والے ذرا سی بات کو کچھ سے کچھ بنا دیتے ہیں۔"

"آپ ہمیں ادھر ادھر کی باتوں میں الجھانے کی کوشش نہ کریں۔" نورین بولی۔ "یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ قتل کا معاملہ ہے۔" وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ "چلو شرمین۔"

"میں آپ کو چھوڑ آتا ہوں۔" عامر سہیل نے کہا۔ لیکن نورین اسلم نے ٹریفک کے شور میں اس کی بات نہ سنی۔ اور شرمین کے ساتھ ایک طرف چل دی۔

عامر سہیل جب گھر پہنچا تو سخت الجھن کا شکار تھا۔ دو باتیں اس کے ذہن کو پریشان کر رہی تھیں۔ ایک تو یہ کہ بیٹھے بٹھائے قتل کے معاملے میں ملوث ہو گیا۔ اور دوسری یہ کہ جس مقصد کے تحت گھر سے نکلا تھا۔ وہ پورا نہ ہوا۔ پہلے تو اس نے صرف آواز ہی سنی تھی۔ لیکن اب آواز والی کو بھی دیکھ لیا تھا۔ ملاقات کی تڑپ پہلے سے بڑھ گئی تھی۔

جب وہ کھانے کی میز پر بیٹھا تو انوری نے کہا۔ "صاحب! آپ کچھ پریشان دکھائی دیتے ہیں۔"

"نن نہیں کوئی خاص بات نہیں۔ یونہی کچھ تھکاوٹ سی ہے۔"

"اگر آپ بتا دیتے تو شاید میں آپ کو کوئی مشورہ دے دیتی۔" انوری نے کہا اور باورچی خانے میں چلی گئی۔

رات کے نو بجے کسی نے اطلاعی گھنٹی بجائی۔ عامر سہیل چونک گیا۔ حالانکہ بظاہر چونکنے والی کوئی بات نہیں تھی۔ اس وقت کوئی بھی ملنے آ سکتا تھا۔ عامر سہیل نے ڈرتے ڈرتے دروازہ کھولا اور اس کا خدشہ ٹھیک ہی نکلا۔ باہر ایک پولیس انسپکٹر کھڑا تھا۔ اس نے اپنا نام محمد نواز بتایا۔ وہ اس علاقے کے تھانے کا ایس ایچ او تھا۔

"عامر سہیل آپ ہی ہیں؟" اس نے پوچھا۔ پھر اثبات میں جواب پا کر بولا۔

"عامر سہیل صاحب! میں آپ کے ساتھ چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو اندر بیٹھ کر بات کر لی جائے۔"

عامر سہیل سارا دن جس خطرے کے ٹلنے کی دعا کرتا رہا تھا۔ وہ سر پر آن پہنچا تھا۔ وہ پرسکون نظر آنے کی کوشش کرتا ہوا۔ انسپکٹر کو ڈرائنگ روم میں لے گیا۔

انسپکٹر نے کمرے میں چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور پوچھا "کیا آپ یہاں اکیلے رہتے ہیں؟"

"میری فیملی چند روز کے لیے دوسرے شہر گئی ہوئی ہے۔"

انسپکٹر صوفے پر بیٹھ گیا اور پورے نصف منٹ تک کچھ نہیں بولا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ کوئی ناگوار بات کہنا چاہتا تھا۔ لیکن مناسب الفاظ نہیں مل رہے تھے یا پھر وہ اپنی خاموشی سے اسے نروس کرنا چاہتا تھا۔

"عامر سہیل صاحب!" اس نے کہا۔ "میں آپ کو تھانے بھی بلا سکتا تھا۔ لیکن آپ عزت دار آدمی ہیں۔ اس لیے میں خود آپ کے پاس حاضر ہو گیا ہوں۔"

عامر سہیل چپ رہا۔ کیونکہ اس کے خیال میں وہ

ایک مہمل سی بات تھی۔

"آپ شہاب کو کب سے جانتے تھے۔" انسپکٹر نے پوچھا اور ایک ڈائری کھول کر میز پر رکھ لی۔

"میں اس شخص کو نہیں جانتا۔" عامر سہیل نے کہا۔ "میں نے کبھی اس شخص کی شکل بھی نہیں دیکھی ہے۔"

"عامر صاحب! ہم بہت بدنام لوگ ہیں لوگ ہمارے متعلق بہت کچھ کہتے ہیں۔ لیکن جب وقت پڑتا ہے تو کوئی ہمارے ساتھ تعاون نہیں کرتا بلکہ غلط معلومات فراہم کر کے ہماری تفتیش میں پیچیدگیاں پیدا کرتے ہیں۔ میری باتوں کا آپ جو جواب دیں گے وہ میں لکھ لوں گا۔ لیکن بعد میں اگر کوئی بات غلط نکلی تو نقصان آپ کا ہو گا۔" اس نے جیب سے بال پین نکالا اور ڈائری میں لکھتے ہوئے اونچی آواز میں بولا۔

"میں شہاب نامی شخص کو نہیں جانتا نہ ہی میں نے کبھی اس کی شکل دیکھی ہے جناب! یہی جواب دیا ہے نا آپ نے؟"

"جی ہاں! واقعی۔"

"آپ کو یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کہاں رہتا تھا؟"

"ظاہر ہے میں جس شخص کو جانتا نہیں اس کے گھر کے بارے میں مجھے کیا معلوم ہو سکتا ہے۔"

انسپکٹر جواب لکھنے لگا اور اس کے بعد بولا "یہ سن کر شاید آپ کو عجیب لگا ہو کہ شہاب صاحب کا گھر یہاں سے تیسری گلی میں ہے۔"

یہ سن کر عامر سہیل کے لاشعور میں واقعی جھماکا سا ہوا۔ اسے محسوس ہوا کہ شہاب کا نام اس کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ وہ انکم ٹیکس کنسلٹنٹ تھا اور عامر ایک آدھ بار اس سے مل بھی چکا تھا۔ خاصا خوبرو اور خوش گفتار مرد تھا۔ شہاب کے والد کا نام لطیف تھا اور وہ رنگ و روغن اور سینیٹری کا کاروبار کرتے تھے۔

"آپ شرمین نامی لڑکی کو کب سے جانتے ہیں؟" انسپکٹر نے پوچھا۔ "میں اس لڑکی کو بھی نہیں جانتا۔"

"مجھے بتایا گیا ہے کہ آج دن کے ڈیڑھ بجے آپ شرمین کو لیے سوشل ویلفیئر پارک کے سامنے گئے تھے۔ لیکن جب آپ نے شرمین کے ساتھ شہاب کی بہن کو دیکھا تو رانگ نمبر کا حوالہ دے کر کوئی کہانی سنا ڈالی اور شرمین کو پہچاننے سے بھی گریز کیا؟"

"میں نے کوئی غلط کہانی نہیں سنائی۔ رانگ نمبر والی بات غلط نہیں ہے۔ میں نے شرمین کو آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

"عامر صاحب! اگر یہ بات کسی کالج کے لڑکے کے بارے میں ہوتی تو یقین کرنے میں کوئی تامل نہ ہوتا لیکن آپ پختہ عمر کے آدمی ہیں۔ آپ کے متعلق ایسی بات معقول نہیں معلوم ہوتی اگر آپ کو پتہ چل گیا تھا کہ وہ رانگ نمبر ہے۔ تو آپ کو اسی وقت بتا دینا چاہیے تھا۔ یہاں تک بھی بات مانی جا سکتی ہے کہ آپ تفریحاً ایک لڑکی کی بات سنتے رہے لیکن یہ بات قابل تسلیم نہیں کہ رانگ نمبر کی بنا پر آپ ایک لڑکی کو کار میں لیے پھرتے۔"

"آپ یقین کریں یا نہ کریں حقیقت یہی ہے۔"

"آپ آج صبح پانچ اور سات بجے کے درمیان کہاں تھے؟"

"میں اپنے گھر پر تھا۔"

"کیا آپ کوئی گواہ پیش کر سکتے ہیں؟"

"گواہ تو کوئی نہیں پیش کر سکتا۔"

"کیا آپ نے مقتول کی بہن کو رشوت پیش کی تھی؟"

"رشوت!" عامر سہیل نے گھبرا کر کہا۔

"آپ نے مقتول کی بہن نورین اسلم سے کہا تھا کہ آپ اسے معقول رقم دینے پر تیار ہیں۔ بشرطیکہ وہ پولیس کے سامنے آپ کا ذکر نہ کرے۔"

"یہ۔۔۔ یہ غلط ہے۔۔۔ میں۔۔۔ میں نے صرف یہ کہا تھا کہ میری وجہ سے انہیں جو زحمت ہوئی ہے۔ میں اس کا جرمانہ دینے پر تیار ہوں۔"

"بات ایک ہی ہے۔ چاہے آپ اسے جرمانہ کہہ لیں یا رشوت۔ اگر آپ کی پوزیشن صاف تھی تو آپ کو ایسی پیشکش نہیں کرنی چاہیے تھی۔ بہتر ہے کہ آپ وکیل کا بندوبست کر لیں اور ضمانت قبل از گرفتاری کا بھی۔"

"کیا۔ کیا آپ مجھ پر قتل کا الزام عائد کر رہے ہیں؟ انسپکٹر صاحب! میرا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔ قتل کا کوئی محرک بھی تو ہونا چاہیے۔"

"عامر سہیل صاحب! عام طور پر لوگوں کو ایسی قسم کے مشورے نہیں دیا کرتے جب کوئی شخص قتل ہو جاتا ہے تو ہم پر اس شخص کو شامل تفتیش کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ جس کی پوزیشن مشکوک ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے آپ کا نام سرفہرست ہے اور جہاں تک محرک کی بات ہے۔ وہ بہت واضح ہے۔ یہ قتل ایک عورت کی وجہ سے ہوا ہے۔ آپ میرا مطلب بخوبی سمجھ گئے ہوں گے۔ میرا اشارہ شرمین کی طرف ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ لڑکی شہاب کو بھی بے وقوف بنا رہی تھی اور آپ کو بھی۔ لہٰذا رقابت کا پیدا ہونا لازم تھا۔"

"انسپکٹر صاحب! اس بات میں قطعی کوئی صداقت نہیں ہے۔" عامر سہیل نے احتجاج کیا۔

"ہو سکتا ہے کہ آپ صحیح کہہ رہے ہوں۔ لیکن واقعات آپ کے بیان کی نفی کر رہے ہیں۔ میرے ذہن میں جو نقشہ بنتا ہے۔ وہ کچھ اس طرح ہے۔ غالباً آپ کو معلوم تھا کہ شرمین رات بھر اپنے گھر نہیں گئی۔ آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ وہ شہاب سے ملتی ہے۔ آپ نے رات کو شہاب سے فون پر یا اور کسی طریقے سے شرمین کے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کی لیکن ظاہر ہے وہ اس بات کا اقرار نہیں کر سکتا تھا کہ شرمین اس کے گھر پر ہے۔ آپ رات بھر بے چین رہے اور غالباً علی الصباح شہاب شرمین کو گھر چھوڑنے جا رہا تھا۔ آپ کے سینے میں رقابت کی آگ بھڑک اٹھی۔ آپ دیوار پھاند کر یا کسی اور طریقے سے بنگلے کے گیراج میں گھس گئے اور چھپ کر اس کا انتظار کرنے لگے۔ جب وہ واپس آیا تو آپ نے اسے......"

"انسپکٹر صاحب" عامر سہیل نے چیخ کر کہا۔ "آپ یہ جھوٹی کہانیاں کسی اور کو سنائیں جا کر۔ جو کہانی آپ نے گھڑی ہے۔ کیا آپ کے پاس اس کا کوئی ثبوت موجود ہے؟"

"تیزی دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ عامر سہیل صاحب! ہمارے پاس مقتول موجود ہے۔ صرف ایک قاتل اور چند گواہوں کی ضرورت ہے۔ جب ہم قاتل کو گرفتار کر لیتے ہیں۔ تو شہادتوں کا انتظام بھی ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد معاملہ عدالت کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے۔ دو چار سال تو ابتدائی سماعت میں ہی گزر جاتے ہیں۔ اگر عدالت یہ سمجھے کہ آپ بے گناہ ہیں تو آپ کو بری کر دے گی ہمارا کام تو بس اتنا ہے کہ مشکوک افراد کو عدالت کے سامنے پیش کر دیں۔

میں نے صبح جو بیان اخبار والوں کو دیا ہے۔ اس میں بھی یہی کہا ہے کہ قتل عورت کی وجہ سے ہوا ہے۔ کل کے اخباروں میں اس قتل کی تفصیلی خبر چھپ جائے گی اور پرسوں اس میں آپ کا ذکر بھی ضرور آئے گا۔"

خوف بدنامی اور گھبراہٹ کی وجہ سے عامر سہیل کے گھٹنے بھی کپکپانے لگے۔

"عامر سہیل صاحب! آپ شریف اور عزت دار آدمی ہیں۔ اس لیے میں آپ کے معاملے میں نرمی برت رہا ہوں۔" انسپکٹر نے کہا۔ "مزید ورنہ اگر کوئی اور ہوتا تو اب تک ہم نے اسے گرفتار کر لیا ہوتا۔" وہ جانے کے لیے کھڑا ہو گیا۔

"آپ تو بلاوجہ گرمی دکھا رہے ہیں۔ میں نے تو صرف صورت حال واضح کی ہے۔ آپ حکم کریں تو میں ہفتہ دس دن تک آپ کا ذکر ہی نہیں آنے دوں گا۔"

"ضرور کچھ کریں یہ میری عزت کا معاملہ ہے۔ میں بیوی بچوں والا آدمی ہوں۔" عامر سہیل نے فوراً ہی ہتھیار ڈال دیے۔

"جی! بیوی بچوں والے تو ہم بھی ہیں۔ لیکن آپ کو پتہ ہے کہ حکومت ہمیں کیا تنخواہ دیتی ہے۔ اس سے زیادہ تنخواہ تو آپ کا ڈرائیور لے جاتا ہو گا۔" عامر سہیل اس کا اشارہ سمجھتا ہوا بولا۔ "ٹھیک ہے

"ٹھیک ہے آپ جو کہیں گے میں پیش کر دوں گا۔ لیکن میرا اس کیس میں نام نہیں آنا چاہیے۔"

"آپ بالکل مطمئن رہیں۔" انسپکٹر مونچھوں پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ "مقتول کی بہن اس بات پر مصر ہے کہ آپ کو شامل تفتیش کیا جائے۔ وہ یقیناً یہ بات اپنے وکیل کو بھی بتائے گی۔ اگر ہم نے آپ کا نام بالکل خارج کر دیا تو ہمیں لائن حاضر کر دیا جائے گا۔ آپ کا نام گواہ کے طور پر شامل کر لوں گا۔ بشرطیکہ آپ نے ہم غریبوں کا کچھ خیال کر لیا۔"

"پانچ ہزار میں کام چل جائے گا؟"

"پانچ ہزار!" انسپکٹر نے حیرانی سے کہا۔ "چھوڑیں جی مذاق چھوڑیں۔ کیا بات کر رہے ہیں آپ پانچ ہزار میں تو آج کل پانچ گز زمین بھی نہیں ملتی۔"

"آپ خود ہی بتا دیں۔"

"دیا کریں۔ اچھی طرح سوچ لیں میں کل پھر آؤں گا۔ اگر بات آپ کی سمجھ میں آ جائے تو لال رنگ کی ایک کاپی تیار رکھیں۔ دوسری دو کاپیاں بعد میں وصول کر لی جائیں گی۔"

"لال کاپی؟" عامر سہیل نے حیرانی سے کہا۔

"آپ لال کاپی کا مطلب نہیں سمجھتے آپ!" انسپکٹر دروازے کی طرف بڑھا اور بولا۔

"غور کرتے رہیں خود ہی سمجھ میں آ جائے گا۔"

اس نے باہر نکل کر اپنی موٹر سائیکل اسٹارٹ کی اور تاریکی میں غائب ہو گیا۔ تاہم موٹر سائیکل کی آواز دیر تک عامر سہیل کے کانوں میں گونجتی رہی۔ وہ دروازے کے درمیان کھڑا تاریکی میں گھورنے لگا۔ ایک خوب صورت آواز نے اسے تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا تھا۔

وہ مڑنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اسے گیٹ کے قریب ایک سایہ دکھائی دیا۔ وہ کوئی لڑکی تھی۔ جو گیٹ پر لکھا ہوا نام پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ لمحہ بھر کے بعد وہ دروازے کی طرف بڑھی تب ہی عامر سہیل نے اسے پہچان لیا۔ وہ شرمین تھی۔

عامر سہیل کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ جس قافلہ کی وجہ سے وہ اتنی بڑی مصیبت میں پھنس گیا تھا۔ وہ اس کے دروازے پر پہنچ گئی تھی۔ اگر کوئی اور موقع ہوتا تو وہ واقعی خوش ہوتا۔ لیکن موجودہ حالات کی پیش نظر شرمین کی وہاں موجودگی اس کے لیے خطرے کا باعث بھی بن سکتی تھی۔ اس نے گھبرا کر سوچا ہو سکتا ہے کہ اسے کسی سازش کے تحت وہاں بھیجا گیا ہو۔

"عامر سہیل صاحب!" شرمین نے بغیر کسی تمہید کے کہا۔ "میں آپ سے بات کرنا چاہتی ہوں۔" اس کی آواز رندھی ہوئی تھی۔

"تمہیں کس نے یہاں بھیجا ہے؟" عامر سہیل نے بڑے سخت لہجے میں پوچھا۔

"مجھے حالات یہاں لے آئے ہیں۔"

عامر سہیل تین سیڑھیاں اتر کر شرمین کے سامنے پہنچ گیا۔ "میں پوچھ رہا ہوں کہ تمہیں کس نے یہاں بھیجا ہے؟ پولیس نے یہاں بھیجا ہے یا کسی اور سازش کے تحت یہاں آئی ہو؟"

"مجھے کسی نے نہیں بھیجا۔" شرمین نے سسک کر کہا۔ "پولیس نے آج سارا دن مجھے تھانے میں بٹھائے رکھا۔ وہ عجیب عجیب سوالات کرتے رہے۔ وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ شہاب کے قتل میں میرا ہاتھ ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں جاؤں۔ شاید آپ میری کچھ مدد کر سکیں۔ اسی لیے آپ کے پاس چلی آئی ہوں۔"

عامر سہیل جو خود بھی پریشان تھا۔ قدرے تذبذب کے بعد شرمین کو اندر لے گیا تو بھی ڈر رہا تھا۔ کہ لڑکی اس کے ساتھ کوئی چال نہ چل رہی ہو۔ یا پولیس اچانک چھاپہ نہ مار دے۔ اس نے شرمین کو ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور باہر جا کر اچھی طرح چاروں طرف دیکھا۔

"پولیس انسپکٹر ابھی ابھی یہاں سے گیا ہے۔" اندر پہنچ کر اس نے شرمین کو بتایا۔

"کیا آپ کے گھر میں کوئی عورت نہیں ہے؟" شرمین نے پوچھا۔ اس کے چہرے پر سخت خوف طاری تھا۔

"میری بیوی دوسرے شہر گئی ہوئی ہے۔" عامر سہیل بغور شرمین کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ خوف کی وجہ سے وہ خوب صورت لگ رہی تھی۔ تاہم اس کی آواز میں پہلا سا ترنم نہیں تھا۔ "پولیس نے تمہیں کیوں تھانے میں بٹھائے رکھا؟"

"وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ شہاب کے قتل میں میں بھی شامل ہوں۔" اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی "خدا کے لیے مجھے زہر لا دیں۔ میں زندہ نہیں رہنا چاہتی۔ انہوں نے مجھے دھمکی دی ہے کہ اگر میں نے سب کچھ نہ بتایا تو وہ میرے ساتھ بہت برا سلوک کریں گے۔ انہوں نے مجھ سے انتہائی شرمناک سوال کیے ہیں۔ میں کہیں میں نہیں جانا چاہتی۔"

عامر سہیل نے محسوس کیا کہ دہشت کے سبب لڑکی کا نروس بریک ڈاؤن ہو سکتا ہے۔ اس لیے وہ موضوع بدلتا ہوا بولا۔ "تم نے کچھ کھایا ہے یا نہیں؟"

شرمین نے نفی میں سر ہلایا۔ "صبح سے کچھ نہیں کھایا۔ پولیس اسٹیشن پر نورین باجی نے میرے لیے کھانا منگوایا تھا۔ لیکن نوالہ حلق سے نیچے نہیں اترا مجھ سے کچھ کھایا نہیں گیا۔"

عامر سہیل اگرچہ خود بھی گھبرایا ہوا تھا۔ لیکن شرمین کی دہشت دیکھ کر وہ اپنی پریشانی بھول گیا تھا۔ اس نے سوچا اگر اس نے شرمین کو کھانا کھانے کے لیے کہا تو وہ انکار کر دے گی۔ لہٰذا اس نے دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ بولا "میں نے ابھی رات کا کھانا نہیں کھایا۔ میں ہوٹل کھانا کھانے کا پروگرام بنا رہا تھا۔ لیکن اگر تم کھانا گرم کر دو تو میں یہیں کھا لوں گا۔"

شرمین؟ آنسو پونچھتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔ بولی "آپ کا باورچی خانہ کس طرف ہے؟"

عامر سہیل اسے باورچی خانے میں لے گیا اور بتایا کہ کھانا فریج میں رکھا ہے۔ جب تک شرمین کھانا گرم کرتی رہی۔ عامر سہیل نے اسے ادھر ادھر کی باتوں میں الجھائے رکھا۔ زیادہ تر وہ اس کی ذاتی اور خاندانی زندگی کے بارے میں سوالات کرتا شرمین نے اٹک اٹک کر جو جواب دیئے ان کا خلاصہ یہ تھا کہ وہ ایک یتیم لڑکی تھی۔ ماں کسی اسکول میں ٹیچر تھی۔ وہ کل تین بہن بھائی تھے۔ شرمین سب سے بڑی تھی۔ بھائی کلاس میں پڑھتا تھا۔ بہن میٹرک کی طالبہ تھی۔ وہ خود میڈیکل سال اول کی طالبہ تھی۔ باپ کے انتقال کے بعد کسی رشتے دار نے ان کی مدد نہیں کی تھی۔

ان کی ماں اپنی ہمت اور محنت سے ان کی پرورش کر رہی تھی۔ اس کے ماموں اور چچا مالی اعتبار سے خاصے خوش حال لوگ تھے۔ لیکن کسی مصیبت میں ساتھ نہیں دیتے تھے۔

جب میز پر کھانا لگ گیا تو عامر سہیل نے سوچا کوئی ایسی بات کرنی چاہیے جس سے اس لڑکی کا خوف دور ہو جائے تب ہی اسے لال کاپی کے بارے میں یاد آیا اور فوراً ہی یہ بھی سمجھ میں آ گیا کہ لال کاپی سے مراد سو روپے والے نوٹوں کی گڈی تھی۔ انسپکٹر نے ایک لال کاپی ایڈوانس اور دو بعد میں وصول کرنے کی بات کی تھی۔ گویا اس نے تیس ہزار روپے رشوت طلب کرنے کی بات کی تھی۔ "کھانا شروع کرنے سے پہلے میں تمہیں ایک خوش خبری سنانا چاہتا ہوں۔" عامر سہیل نے کہا۔ "انسپکٹر نے ہمیں پھانسنے کے لیے ایک جھوٹی کہانی تیار کی ہے۔"

"ہمیں!" شرمین نے حیرانی سے کہا۔

"اس نے یہ فرضی داستان گھڑی ہے کہ ہم اور تم عرصے سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں اور ہم نے رقابت میں شہاب کو قتل کیا ہے۔ لیکن وہ بھی جانتا ہے اور ہم بھی جانتے ہیں کہ یہ کہانی سراسر جھوٹ ہے۔ دراصل وہ ہمیں دباؤ میں لا کر رشوت وصول کرنا چاہتا ہے۔"

"اوہ میرے خدا۔ آپ واقعی ٹھیک کہتے ہیں۔" شرمین نے کہا۔ "شام کے وقت جب مجھے گھر جانے کی اجازت دی گئی تو ایک سپاہی نے مجھے ایک طرف لے جا کر کہا تھا۔ بی بی اگر عزت بچانا چاہتی ہو تو دس ہزار روپے خرچ ہوں گے۔ لیکن میں دس ہزار روپے

کا انتظام نہیں کر سکتی۔ میری بیوہ ماں کو اگر یہ بات معلوم ہو گئی تو اس کا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔"

"اور مجھ سے تمہیں ہزار روپے مانگے ہیں۔"

"آپ تو پیسے والے آدمی ہیں۔ آپ کے لیے اتنی رقم کا انتظام کرنا مشکل نہیں ہو گا۔ لیکن میں کہاں جاؤں۔ کس کے سامنے جا کر ہاتھ پھیلاؤں؟"

"میں ایک شرط پر تمہیں دس ہزار روپے دے سکتا ہوں۔" عامر سہیل نے کہا۔

شرمین چونک کر ایک قدم پیچھے ہٹی اور خوفزدہ نظروں سے عامر سہیل کی طرف دیکھنے لگی۔

"کیسی شرط؟"

"تمہیں میرے ساتھ کھانا کھانا پڑے گا۔" عامر سہیل نے بڑی سادگی سے کہا۔

شرمین نے حیرت سے آنکھیں جھپکائیں اور بولی۔ "یہ کیسی شرط ہے؟"

"مجھے اچھا لگتا ہے۔ اس کے ساتھ ایسی ہی شرطیں لگائی جاتی ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم بھوکی بیٹھی رہو اور میں کھانا کھاتا رہوں۔"

شرمین قدرے تامل کرتی ہوئی کھانے میں شریک ہو گئی۔ عامر سہیل کی یقین دہانی کی وجہ سے اس کا خوف واقعی کافی حد تک دور ہو گیا تھا۔ اور وہ بھوک محسوس کرنے لگی تھی۔

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔" عامر سہیل نے کھانے کے دوران کہا۔ "تمہاری ماں نے اتنی رات گئے تمہیں تنہا گھر سے باہر جانے کی اجازت کیسے دی ہے؟"

"دراصل میں آج کل اپنی ایک دوست کے گھر رہ رہی ہوں۔ وہ بھی میڈیکل میں پڑھتی ہے۔ اس کے والدین اپنے بڑے بیٹے کے پاس کینیڈا گئے ہوئے ہیں۔ گھر میں میری دوست اس کی چھوٹی بہن اور نانی کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ خاصا بڑا گھر ہے۔ امی ان کے گھر میرا مطلب ہے ان کے بچوں کو پڑھاتی رہی ہیں۔ اس لیے انہیں بھروسہ ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تمہاری امی کو اس واردات کے بارے میں کچھ پتہ نہیں ہے۔"

"ہاں۔ اور میں بتانا بھی نہیں چاہتی۔ اللہ کرے یہ معاملہ جلدی سے ختم ہو جائے۔"

"اب میں بہت نازک سوال کرنے لگا ہوں۔ ذرا سوچ سمجھ کر جواب دینا اور جھوٹ بالکل نہیں بولنا۔ شہاب سے تمہارے مراسم کی کیا نوعیت تھی؟"

"کچھ نہیں۔"

"وہ تو شادی شدہ تھا اور تمہیں بھی اس بات کا پتہ تھا۔ لیکن صبح میں نے جو فون پر باتیں سنی ہیں۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ تم شہاب کو بہت پسند کرتی تھیں؟"

شرمین نے غصیلی نظروں سے عامر سہیل کو دیکھا پھر کھانے سے ہاتھ روک کر اپنی انگلیوں کو گھورنے لگی۔

"آپ کو ایسی بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔" بالآخر اس نے کہا۔

"مجھے بھی احساس ہے کہ میں نے بہت تلخ سوال کیا ہے۔ لیکن میں تمہارے بارے میں کوئی منافقت دل میں رکھنا نہیں چاہتا۔ جن لوگوں سے ہمیں محبت نہیں ہوتی۔ ان کے بارے میں ہم بعض مفروضے دلوں میں قائم کر لیتے ہیں اور کبھی وضاحت کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ لیکن اپنوں کے بارے میں ایسے مفروضے قائم کرنے سے نفرت اور دوری پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے پوچھ لینا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ بشرطیکہ خلوص سے پوچھا گیا ہو۔"

"شاید آپ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ شادی شدہ شخص سے محبت کرنے کو لوگ فلرٹ ہی کہیں گے۔ لیکن شہاب سے میرا یہ رشتہ نہیں تھا۔ میں کسی لالچ کی وجہ سے اسے نہیں چاہتی تھی۔ شاید میں اس لیے اسے پسند کرتی تھی کہ وہ میرے ساتھ شفقت سے پیش آتا تھا۔ وہ ایک سنجیدہ اور ذمہ دار شخص تھا۔"

عامر سہیل فوراً معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا۔ شرمین چونکہ باپ کے سائے سے محروم تھی اس لیے لاشعوری طور پر اسے آئیڈیل کی ضرورت تھی۔ ایک بڑی عمر کے شخص کی ضرورت تھی۔ جو اسے باپ کی شفقت بھی دے سکے اور محبت بھی۔

"شہاب تم سے کتنا بڑا تھا؟" اس نے پوچھا۔

"اس کی عمر مجھ سے دگنی تھی۔ وہ مجھ سے اٹھارہ بیس سال بڑا تھا۔"

"یہ تو بہت زیادہ فرق ہے؟"

"مجھے آج کل کے بے پروا اور کھلنڈرے لڑکے بالکل پسند نہیں ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ بڑوں کی نسبت زیادہ فلرٹ ہوتے ہیں۔ یہ نہ تو لڑکیوں کے جذبات کی پرواہ کرتے ہیں اور نہ ان کی عزت کا کچھ خیال رکھتے ہیں۔"

"کیا تم شہاب سے شادی کرنا چاہتی تھیں؟"

"میں نے اس بات پر کبھی غور نہیں کیا تھا۔ شہاب اگر مجھ سے شادی کر لیتا تو میں اسے اپنی خوش نصیبی سمجھتی۔ لیکن اگر وہ شادی نہ کرتا تو میں اس کے نام پر زندگی گزار دیتی۔ میرے لیے یہ احساس ہی کافی تھا کہ دنیا میں ایک ایسا شخص ایسا بھی ہے۔ جو مجھے چاہتا ہے۔ جو میری خوشی کو اپنی خوشی اور میرے دکھ کو اپنا دکھ سمجھتا ہے۔ اب وہ اس دنیا میں نہیں رہا۔ تو میں خود کو بہت تنہا محسوس کر رہی ہوں۔"

"تمہیں اتنا مایوس ہونا نہیں چاہیے۔ یہ دنیا محبت کرنے والے شفیق انسانوں سے ابھی خالی نہیں ہوئی۔" آخری جملہ اس نے معنی خیز انداز میں کہا تھا۔ شرمین کے گالوں پر سرخی دوڑ گئی۔ وہ اس کا مطلب سمجھ گئی تھی۔

کھانے کے بعد عامر سہیل نے کہا۔ "تمہیں گھر جانے کی جلدی تو نہیں ہے؟"

"جلدی تو ہے۔ تہمینہ پریشان ہو رہی ہو گی۔"

"اسے فون کر دو کہ تم ذرا دیر سے آؤ گی۔ میں تم سے چند ضروری باتیں اور پوچھنا چاہتا ہوں۔ ہمیں پولیس کا سامنا کرنے کے لیے ایک مشترکہ بیان تیار کرنا ہے۔"

کھانے سے فارغ ہو کر وہ آپس میں باتیں کرنے لگے اور اب شرمین کی خود اعتمادی کافی حد تک واپس آ گئی تھی۔ اس نے اپنی دوست کو فون کر دیا اور عامر سہیل کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آ بیٹھی۔ "پہلے تو یہ بتاؤ کہ تم نے پولیس کو کیا بیان دیا ہے؟"

"میں نے کوئی لمبا چوڑا بیان نہیں دیا ہے۔ صرف یہ کہا ہے کہ صبح تقریباً" چھ بجے میں نے شہاب سے بات کی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ وہ اپنے کسی دوست کو ڈیڑھ بجے ہوٹل ولفیئر کے سامنے پہنچ دے گا۔ اس کے علاوہ اس کے ساتھ جو بات چیت ہوئی اس کا ذکر کیا تھا۔ اصل گڑبڑ نورین باجی نے کی ہے۔"

"صبح فون پر میں نے تمہارے ساتھ بات کی تھی۔" عامر صاحب نے کہا۔ "تمہیں بات شروع کرنے سے پہلے کم از کم پوچھ تو لینا چاہیے تھا۔ کیا تم نے میری آواز نہیں پہچانی تھی؟"

"مجھے شک تو ہوا تھا۔ لیکن ایک تو آپ بہت آہستہ بول رہے تھے۔ دوسرے جب آدمی سو کر اٹھتا ہے۔ تو اس کی آواز کچھ بدلی بدلی سی ہوتی ہے۔ اس لیے میں نے کچھ خیال نہیں کیا۔ اب آپ کے ساتھ باتیں کر کے یقین ہو گیا ہے کہ صبح آپ ہی سے فون پر بات ہوئی تھی۔"

"دوپہر کے وقت آپ سے رخصت ہونے کے بعد جب ہم پولیس اسٹیشن جا رہے تھے تو میں نے نورین باجی کو یہ بات بتائی تھی۔ یہ سن کر ان کا شک اور زیادہ پختہ ہو گیا۔ کہنے لگیں۔ یقیناً" یہی شخص شہاب کا قاتل ہے۔ یہ اس وقت شہاب کے گھر پر موجود تھا اور اس نے انہیں دھوکہ دینے کے لیے فون پر بات کی تھی۔"

"شہاب کی بیوی اس وقت کہاں تھی؟ کیا وہ واقعی گھر پر نہیں تھی؟"

"کل رات شہاب تہمینہ کے گھر مجھ سے ملنے آیا تھا۔ اس وقت اس نے کہا تھا کہ اس کی بیوی اپنے کسی رشتے دار کے ہاں فلم دیکھنے گئی ہوئی ہے۔ صبح جب آپ نے کہا کہ وہ اپنے ماموں کے پاس چلی گئی ہے۔ تو مجھے یہ بالکل خیال نہیں آیا کہ اس شہر میں اس کے کوئی ماموں نہیں ہیں۔ وہاں تقریباً" رات بھر وی سی آر چلتا رہا تھا۔

اس کے بعد بقول ان کے وہ پیدل سو گئی تھی۔"

"کیا شہاب کا کوئی دشمن بھی تھا؟" عامر سہیل نے پوچھا۔

"مجھے کچھ پتہ نہیں شہاب نے کبھی کسی دشمن کا ذکر نہیں کیا۔"

"کیا تمہارا کوئی دشمن ہے؟"

"میرا ابھی کوئی دشمن نہیں ہے۔"

"یہ کسی دوست کی کارروائی بھی ہو سکتی ہے۔ کوئی ایسا شخص جو تمہیں بہت زیادہ پسند کرتا ہو اور جب اسے تمہاری اور شہاب کی دوستی کا علم ہوا ہو تو اسے سخت دکھ پہنچا ہو؟"

"میں ایسے کسی شخص کو نہیں جانتی۔"

"یہ کسی چور کا کام بھی ہو سکتا ہے۔"

"پولیس یہ بات رد کر چکی ہے۔ اول تو کوئی چیز چوری نہیں ہوئی۔ دوسرے پولیس کا کہنا ہے کہ چور صبح کے وقت چوری کرنے نہیں آتے۔"

"بہرحال اب فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" عامر سہیل نے کہا۔ "اگر کوئی صورت بچاؤ کی نظر آئی تو کچھ دے کر جان چھڑا لیں گے۔ ویسے ہمیں احتیاطاً ضمانت قبل از گرفتاری کرا لینی چاہیے۔ میں تمہارے لیے وکیل کا انتظام کر دوں گا اور کل فون پر تمہیں اطلاع دے دوں گا۔ اپنی دوست کا فون نمبر مجھے دے دو اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس ملاقات کا کسی سے ذکر نہیں کرنا۔" شرمین نے اپنی دوست کا فون نمبر عامر سہیل کو نوٹ کرا دیا اور جانے کے لیے کھڑی ہو گئی۔

"ٹھیک ہے آپ درخواست تیار کروا دیں۔" عامر سہیل نے کہا۔ "بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔"

"آئی جی پولیس نے ہمدردی سے اس کی ساری بات سنی اور وعدہ کیا کہ محکمے کی طرف سے اسے ہر قسم کا تحفظ اور اعانت فراہم کی جائے گی۔ مزید یہ بھی کہ ایس ایچ او نے اس سے جو رقم بطور رشوت طلب کی وہ تیار رکھے۔

شام کے وقت مجسٹریٹ کی سربراہی میں ایک پارٹی عامر سہیل کے گھر پہنچ گئی۔ اس میں ایک ڈی ایس پی اور تین سپاہی شامل تھے۔ رسمی گفتگو کے بعد سپاہی ڈرائنگ روم سے ملحق ایک کمرے میں بیٹھ گئے۔ انہوں نے بڑی حسن سے دو معزز آدمیوں کو بھی بلا لیا اور ان کی موجودگی میں دس ہزار روپے کے نوٹوں کے نمبر نوٹ کیے اور بعض نوٹوں پر نشان لگا دیے۔

آٹھ بجے کے قریب اطلاعی گھنٹی کی آواز سنائی دی۔ پارٹی کے افراد ایک دم خاموش ہو گئے۔ عامر سہیل نے دیکھا تو باہر شرمین کھڑی تھی۔ اس کے ساتھ ایک لڑکی بھی تھی۔ اسے دیکھ کر عامر سہیل گھبرا گیا اور اس نے اپنی انگلی سے چپ رہنے کا اشارہ کیا پھر انگوٹھے سے اندر کی طرف اشارہ کیا اور بلند آواز میں بولا۔

"میری بیگم تو بچی کے گھر گئی ہوئی ہے۔ دو تین بجے تک واپس آ جائے گی۔ اگر کوئی پیغام دینا ہو تو بتا دیں۔ میں اسے فون پر اطلاع دے دوں گا۔"

"ان سے ہمیں پیغام تو کوئی نہیں۔" شرمین بجھتی ہوئی بولی۔ وہ سمجھ گئی کہ اندر پولیس بیٹھی ہے اور اس کا اندازہ ایک حد تک ٹھیک بھی تھا۔ "ہم پھر کبھی آ جائیں گے۔"

ان کے جانے کے بعد عامر سہیل دروازہ بند کر کے اندر آ گیا اور بولا۔ "دو عورتیں میری بیوی سے ملنے آئی تھیں۔"

کسی نے اس بات پر تبصرہ نہیں کیا۔

تھوڑی دیر بعد مجسٹریٹ گھڑی پر نظر ڈالتا ہوا بولا۔

"عامر سہیل صاحب! کیا آپ کو یقین ہے کہ انسپکٹر نے آپ سے رشوت طلب کی تھی؟"

"جی ہاں بڑی اچھی طرح سے یاد ہے۔"

"اس نے آپ کو وقت کیا دیا تھا؟" ڈی ایس پی نے پوچھا۔ عامر سہیل ذہن پر زور دیتا ہوا بولا۔

"میرا خیال ہے کہ اس نے وقت کا ذکر نہیں کیا تھا۔ تاہم اس کی باتوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ رات کے وقت آئے گا۔"

"اس نے آپ سے کیا کہا تھا؟"

"اس نے مجھ سے لال رنگ کی کاپی تیار رکھنے کو کہا تھا اور یہ کہ وہ کل کسی وقت یہ کاپی آ کر لے جائے گا۔ اس وقت میں یہ بات نہیں سمجھ سکا تھا بعد میں جب غور کیا تو یہ سمجھ میں آیا کہ لال رنگ کی کاپی سے مراد ہزار والے نوٹوں کی گڈی ہو سکتی ہے۔"

"کچھ دیر اور انتظار کر لیتے ہیں۔" مجسٹریٹ نے کہا۔ "مجھے ایک شادی میں بھی شریک ہونا ہے۔ بیوی چھریاں چاقو تیز کر رہی ہو گی۔"

"میں آپ لوگوں کے لیے کچھ کھانے پینے کا بندوبست کروں جی؟" عامر سہیل نے پوچھا۔

"آپ کہاں سے کھانے پینے کا بندوبست کریں گے۔" ڈی ایس پی نے کہا۔ "آپ کے گھر میں کوئی عورت تو ہے نہیں۔"

ایک سپاہی جو دروازے کے پاس اداس کھڑا تھا، بڑی اداسی سے بولا۔ "جناب! وہ چورنگی سے چرغہ مل جائے گا۔"

"چپ بیٹھ۔" ڈی ایس پی نے اسے ڈانٹا۔ "نہیں تو تیرا چرغہ بنا دوں گا۔"

سپاہی کے چہرے پر جو کھانے کے ذکر سے جو تھوڑی سی رونق آئی تھی وہ غائب ہو گئی۔ نو بجے کے قریب تک باہر کسی موٹر سائیکل کی آواز سنائی دی۔ "آ گیا" کھڑکی کے پاس کھڑے ہوئے سپاہی نے کہا۔

"عامر سہیل صاحب! ذرا ہوشیاری سے بات کریں۔" مجسٹریٹ نے کہا۔ "آپ کی باتوں سے غیر ضروری خود اعتمادی کا اظہار نہیں ہونا چاہیے۔ ورنہ اسے شک ہو جائے گا۔ بلکہ رقم ادا کرنے سے پہلے کچھ سودے بازی کرنے کی کوشش کریں۔"

اتنے میں اطلاعی گھنٹی کی آواز سنائی دی۔ عامر سہیل ڈرائنگ روم سے ہوتا ہوا باہر گیا اور دروازہ کھولا۔ باہر انسپکٹر کھڑا تھا۔ آج وہ وردی میں تھا۔ رسمی کلام کے بعد عامر سہیل اسے ڈرائنگ روم میں لے آیا اور چائے کا پوچھا۔

"ادھر سے گزر رہا تھا۔" انسپکٹر نے کہا۔ "سوچا آپ سے بھی ملتا چلوں۔ میں نے اخبار والوں کو قتل کیس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ آپ کی عزت کا خیال آ گیا۔"

"بڑی نوازش ہے آپ کی۔" عامر سہیل نے کہا۔

"ابھی میں نے ایف آئی آر بھی نہیں کاٹی۔ سوچ رہا ہوں آپ کا نام ایف آئی آر میں شامل کروں یا نہ کروں۔ دراصل ہمیں آگے بھی جواب دینا پڑتا ہے۔"

"آپ یقین کریں میرا اس قتل کے معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" عامر سہیل نے کہا۔

"اور دیکھو جی ہمارے یقین کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہمیں تو قانون کے مطابق چلنا پڑتا ہے۔"

"کل آپ نے جس بات پر غور کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اس پر میں نے اچھی طرح غور کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ آپ نے بہت مناسب مشورہ دیا ہے۔ لیکن تین کاپیاں بہت زیادہ ہیں۔"

انسپکٹر بھنویں سکیڑتا ہوا بولا۔ "آپ سگریٹ کون سے پیتے ہیں؟"

عامر سہیل کو پہلے تو یہ سوال کچھ عجیب سا لگا۔ پھر وہ سمجھ گیا کہ کمرے میں سگریٹ کے دھوئیں کی بو موجود تھی۔ "میں سگریٹ نہیں پیتا" اس نے جواب دیا لیکن کوئی صفائی پیش کرنے کی کوشش نہیں کی۔

"کیا آپ کے گھر میں کوئی مہمان موجود ہے۔" انسپکٹر نے پوچھا۔

"اس وقت تو کوئی مہمان نہیں تھوڑی دیر پہلے چند عزیز ملنے آئے تھے۔ آپ کے آنے سے چند منٹ پہلے گئے ہیں۔"

انسپکٹر عامر سہیل کو گھورتا ہوا بولا۔ "کوئی اور بات تو نہیں ہے نا؟"

"میں سمجھا نہیں اور کیا بات ہو سکتی ہے؟"

"خیر چھوڑو کیا کہہ رہے تھے تم کاپیوں کے بارے میں؟"

"میں یہ کہہ رہا تھا کہ دو کاپیوں میں کام نہیں چلے گا کیا؟"

"آپ تو صاحب حیثیت آدمی ہیں آپ سے تو کم از کم پانچ کاپیوں کا مطالبہ کرنا چاہیے تھا۔"

"دراصل میں کاروبار سے ریٹائر ہو چکا ہوں۔ سارا

حساب کتاب میرے بیٹے کے ہاتھ میں بھی ہے۔ اپنا کریں بھائی کاپیاں کر لیں۔"
"پہلی کاپی تو لائیں۔ باقی بعد میں حساب کریں گے۔"
عامر سہیل نے صوفے کی گدی کے نیچے سے رومال میں لپٹی ہوئی نوٹوں کی گڈی نکالی اور رومال سمیت انسپکٹر کو پیش کر دی۔ انسپکٹر نے رومال اتار کر پھینک دیا اور نوٹوں کی گڈی پتلون کی پچھلی جیب میں ڈال کر باہر نکل گیا۔
جب اس نے موٹر سائیکل پر بیٹھ کر کک لگائی تو ڈی ایس پی اچانک تاریکی سے نکل کر اس کے سامنے پہنچ گیا۔ اس نے ریوالور تھام رکھا تھا۔ دونوں سپاہی بھی دائیں بائیں پہنچ گئے۔ انسپکٹر نے یہ صورت حال دیکھی تو موٹر سائیکل پر بھاگنے کی کوشش کی لیکن ڈی ایس پی نے اسے وارننگ دی اور اسے پیچھے کالر سے پکڑ لیا۔ انسپکٹر کے نیچے سے موٹر سائیکل نکل گئی اور وہ زمین پر گر گیا۔ سپاہیوں نے جلدی سے اس پر قابو پا لیا اور اس کے ہاتھ میں ہتھکڑی ڈال دی۔
اس اثنا میں مجسٹریٹ اور دونوں معزز گواہ بھی باہر آ گئے۔ ان سب کی موجودگی میں انسپکٹر کی جیب سے نشان زدہ نوٹوں والی گڈی نکالی گئی۔ ان کے نمبر ملائے گئے اور گواہوں کے دستخطوں کے ساتھ رپورٹ تیار کر لی گئی۔
اگلے روز عامر سہیل کو پتا چلا کہ قتل کیس کرائمز برانچ کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ تفتیشی افسر کا نام اورنگزیب تھا۔ وہ ایک معمر اور جہاں دیدہ شخص تھا۔ اس نے عامر سہیل کا بہت سرسری سا بیان لیا اور جاتے جاتے یہ کہہ گیا کہ وہ یقیناً عامر سہیل کسی کو قتل نہیں کر سکتا۔ اس لیے وہ کسی تردد میں مبتلا نہ رہے۔
اس کے جانے کے بعد عامر سہیل کو فوراً اس وعدے کا خیال آیا جو اس نے اپنے دل سے کیا تھا۔ اس کے تیس ہزار روپے بچ گئے تھے۔ بلکہ وہ خود بھی بچ گیا تھا۔ اب وہ اپنے دل میں کیے ہوئے فیصلے کے مطابق پندرہ ہزار روپے خیرات کرنے کا پابند تھا۔ اس نے بینک سے پیسے بھی نکلوا لیے۔ لیکن دل راضی نہیں ہو رہا تھا۔ پہلے اسے تیس ہزار معمولی رقم معلوم ہو رہی تھی۔ مگر اب پندرہ ہزار بھی بہت بڑی رقم لگ رہی تھی۔ پہلے روز کے بعد انوری بھی کام پر نہیں آئی تھی۔ عامر سہیل نے سوچا کیوں نہ یہ رقم شرمسار کو دے دی جائے۔
وہ بھی تو یتیم تھی۔ یہ تجویز اسے زیادہ پسند آئی تھی۔ لیکن اچانک چپکے سے کسی نے اس کے کان میں کہا۔
"تم یہ خیرات ایک یتیم لڑکی کو نہیں دو گے بلکہ ایک خوب صورت کو دو گے اور یہ خیرات نہیں ہوگی تمہارے دل کی تسکین کا سامان ہوگا۔" اس نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ لیکن اس کے آس پاس کوئی نہیں تھا۔ وہ آواز اس کے ملامت کرنے والے نفس کی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ عامر سہیل جو عہد دل میں کیا ہے۔ اسے پورا کر مصیبت ابھی پوری طرح ٹلی نہیں ہے۔
اسی شام عامر سہیل ادھر ادھر سے پتہ کرتا ہوا انوری کے گھر پہنچ گیا۔ وہ کچی آبادی میں دو کمروں کا ایک کچا پکا مکان تھا۔ ایک بوڑھی عورت جس کی بینائی کمزور معلوم ہوتی تھی۔ عامر سہیل کو ایک سیلن زدہ کمرے میں لے گئی۔ وہاں عجیب سی بساند پھیلی ہوئی تھی۔ کمرے میں مدھم روشنی والی ایک لالٹین لٹک رہی تھی۔ عامر جو تنگ سڑک کی چکا چوند روشنیوں سے گزر کر گیا تھا اس لیے اسے اس روشنی سے مانوس ہونے میں کچھ دیر لگی۔ وہاں دو بچے تھے۔ جو عامر سہیل کو سلام کر کے دوسرے کمرے میں چلے گئے۔
انوری نے ایک میلی سی چادر اوڑھ رکھی تھی اور وہ کمزور دکھائی دے رہی تھی۔
"انوری تم اس دن کے بعد کام پر کیوں نہیں آئیں؟" عامر سہیل نے پوچھا اور دیوار کے ساتھ رکھی ہوئی ایک بید کی پشت والی لکڑی کی کرسی پر بیٹھنے لگا۔
"اس کرسی پر نہ بیٹھیں جی!" انوری نے جلدی سے کہا۔ "یہ ٹوٹی ہوئی ہے۔ ادھر چارپائی پر بیٹھیں۔"
عامر چارپائی پر بیٹھ گیا اور کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ اس کے خیال میں وہاں ایک بھی چیز قابل استعمال نہیں تھی۔ نیچی چھت والے اس کمرے میں لالٹین کا دھواں بھرا ہوا تھا۔ عامر سہیل نے سوچا کہ اگر ایک گھنٹہ وہاں بیٹھنا پڑا تو اس کا دم گھٹنے لگے گا۔ اس نے اندازہ لگایا کہ اس کمرے کے ضرورت کی تمام نئی چیزیں سات آٹھ ہزار روپے میں آ سکتی ہیں۔
"بیمار ہو گئی تھی جی!" انوری نے کہا۔ "آج طبیعت ٹھیک ہے۔ کل ضرور آؤں گی۔"
"ضرور آنا میں تمہیں سرپرائز دینا چاہتا ہوں۔"
"کیا سرپرائز جی؟"
"اگر ابھی بتا دیا تو پھر وہ سرپرائز نہیں رہے گا۔"
"اچھا جی جیسے آپ کی مرضی۔"
"تمہارے گھر میں بجلی کیوں نہیں ہے؟ یہاں کئی مکانوں میں میں نے بجلی دیکھی ہے۔"
"وہ جی بجلی والوں کو ڈیڑھ دو ہزار روپے رشوت دینی پڑتی ہے۔ اس کے بغیر وہ درخواست پر غور ہی نہیں کرتے۔ گزارہ ہو جاتا ہے۔ جی اللہ کا شکر ہے۔"
"ایسا کرنا کل تم دوپہر کے وقت آ جانا میں رات کو کسی کی دعوت کرنا چاہتا ہوں۔"
اسے اچانک ہی شرمین کی دعوت کرنے کا خیال آ گیا تھا۔
"کتنے آدمیوں کی دعوت کریں گے آپ؟"
"ایک یا دو آدمیوں کی اور دیکھو اچھے صاف ستھرے کپڑے پہن کر آنا۔" وہ جانے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ "دوائی وغیرہ کے لیے پیسوں کی ضرورت تو نہیں؟"
"آپ بیٹھیں جی! میں آپ کے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔"
"شکریہ میں چائے پی کر آیا ہوں۔" عامر سہیل نے کہا اور جیب سے پچاس کا نوٹ نکال کر انوری کو دیا۔ "یہ رکھ لو بچوں کو مٹھائی لے دینا۔"
اس تنگ و تاریک مکان سے نکلنے کے بعد عامر سہیل کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ اندھے کنویں سے باہر نکل آیا ہو۔ راستے بھر وہ اس تکلیف دہ صورت حال کے بارے میں سوچتا رہا۔ کیسی اذیت ناک زندگی تھی ان لوگوں کی اس نے سوچا اگر اس کے ہاتھ میں ہو تو وہ تمام منصوبوں کو پس پشت ڈال کر سب سے پہلے رہائش کا مسئلہ حل کرے گا۔
گھر پہنچ کر اس نے کار گیراج میں کھڑی کی اور چابیاں ہلاتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ تب ہی اسے فون کی گھنٹی سنائی دی۔ اس نے جلدی سے دروازہ کھولا اور ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ دوسری طرف اس کی بیوی شازیہ تھی۔
"کہاں غائب ہو گئے تھے؟" اس نے اپنی دھماکہ خیز آواز میں کہا۔ "صبح سے ڈیڑھ سو دفعہ فون کر چکی ہوں۔"
"دس سے تقسیم کر لو تو حساب ٹھیک نکل آئے گا۔"
"کیا تقسیم کر دیا؟"
"حساب کتاب کی بات تھی۔ تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔ دراصل دن کے قریب لائن پر بہت رش ہوتا ہے۔ نمبر گھماؤ انگیج ملتا ہے۔ لیکن درحقیقت انگیج نہیں ہوتا۔ سناؤ شعیلہ بخیر خیریت سے ہے نا؟ اور کاشف کا کیا حال ہے؟ اسے جلدی واپس بھیج دو۔ کاروباری آدمی کو اتنی لمبی چھٹی نہیں کرنی چاہیے۔"
"اپنی سناتے جاؤ گے یا کچھ سنو گے بھی!" شازیہ بیگم غصے سے بولی۔ "اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ ٹیلی فون کر کے خیریت ہی پوچھ لیتے۔ شعیلہ خیریت سے ہے۔ تمہیں سلام کہتی ہے۔ مجھے دو تین ہفتے سے زیادہ ہی لگ جائیں گے۔ کاشف نے کہا ہے کہ ابو سے کہیں کہ دن میں ایک آدھ بار دفتر کا چکر لگا لیا کریں۔ وہ ایک ہفتے کے لیے کام کے سلسلے میں شہر سے باہر جا رہا ہے۔ گھر کا بھی خیال رکھنا کھانا کہاں سے کھاتے ہو؟"
"دار الیتیمی سے۔"
"کیا بکس کی ہاں؟"
"تمہیں تو ایک ہی غم کھائے جا رہا ہے۔ یتیم خانے

سے کھاتا ہوں کھانا۔ تمہیں کیا پرواہے۔ کھانے کی بزرگوں نے ٹھیک کہا ہے۔ ہر چیز کا جوڑا ہونا چاہیے۔ دوسری بیوی ہوتی تو کھانے کی مصیبت تو نہ ہوتی۔"

"تمنہ دھو رکھو، جس قسم کی دوسری بیوی کے خواب تم دیکھ رہے ہو۔ وہ تمہیں خواب میں بھی نہیں ملے گی۔"

"ضرور اگر مل جائے تو؟"

"دس جوتے بھی نہیں مارے گی کوئی بالوں میں رنگ کرنے اور رنگ برنگے کپڑے پہننے سے جوانی نہیں آتی بڑے میاں!"

"ایک راز کی بات بتاؤں۔" عامر کا لہجہ شرارت آمیز تھا۔ "آج کل کی سنجیدہ لڑکیاں بڑے میاؤں کو زیادہ پسند کرتی ہیں خصوصاً میرے جیسے اسمارٹ لوگوں کو۔"

"ہائے۔۔۔ قربان جاؤں کب سے یہ عارضہ لاحق ہوا ہے؟"

"آزمائش شرط ہے کہو تو کر کے دکھاؤں؟"

"منہ دھو رکھو، کیا کہتے ہیں دلت کی چھکلی اور شہتیروں سے دوستی۔۔۔ یہ ارمان بھی پورا کر کے دیکھ لو۔ ایسی منہ کی کھاؤ گے کہ قیامت تک یاد رکھو گے۔"

"تمہاری طرف سے تو اجازت ہے نا؟"

"میری طرف سے تو ایک چھوڑ تین اور کر لو۔"

"اسٹامپ پیپر پر اجازت نامہ لکھ کر بھیج دوں؟"

"فی الحال زبانی اجازت ہی کافی ہے۔ اسٹامپ پیپر بعد میں لکھ لیں گے۔ اچھا خدا حافظ فون کا بل چڑھ رہا ہو گا۔"

"تو تمہاری بک بک میں اصل بات تو بھول ہی گئی۔ پانچ ہزار کا ڈرافٹ بھیج دینا کاشف کو سفر خرچ کے لیے ضرورت ہے۔"

عامر سہیل نے کہا کہ وہ کل صبح ڈرافٹ بھیج دے گا اور فون بند کر دیا۔

دوسری شادی کی بات اگرچہ اس نے مذاق میں کی تھی۔ لیکن چند روز سے وہ سنجیدگی سے اس معاملے پر غور کر رہا تھا اور اس کا محرک شرمین کی ذات تھی۔ پتہ نہیں کیوں اسے یقین تھا کہ شرمین اس کے ساتھ شادی پر راضی ہو جائے گی۔ اس نے انوری کے ذریعے شرمین کو پیغام دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس کی دوسری شادی پر اس کے دوستوں اور عزیزوں کی طرف سے شدید رد عمل کا اظہار ہو گا۔ لیکن وہ رد عمل دیرپا نہیں ہو گا۔

یہ سوچتے ہوئے اس نے شرمین کا فون نمبر تلاش کیا تاکہ اسے کل کی دعوت کے بارے میں اطلاع کر دے۔ لیکن جیسے ہی اس نے ریسیور کی طرف ہاتھ بڑھایا فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

"ہیلو؟"

"آپ معصوم صاحب ہیں؟" عامر سہیل کے کانوں میں شرمین کی سریلی آواز رس گھول گئی۔

"اوہ۔۔۔ شرمین کتنا عجیب اتفاق ہے۔ میں تم ہی کو فون کرنے لگا تھا۔"

"کیسے ہیں آپ؟"

"ٹھیک ہوں تم سناؤ؟"

"میں بھی ٹھیک ہوں۔ میں نے اخبار میں ایس ایچ او کی گرفتاری کی خبر پڑھی آپ نے تو کمال ہی کر دیا۔ ایک دوسرا پولیس افسر میرا بیان لینے آیا تھا۔ نہایت شریف آدمی تھا۔ اس نے نہ تو میرا تحریری بیان لیا ہے اور نہ ہی میرا نام تفتیش میں شامل کیا ہے۔ کہنے لگا عدالتوں میں بہت دھکے کھانے پڑتے ہیں۔ ایک لڑکی ذات کو معمولی بات پر قتل کے معاملے میں شامل نہیں کرنا چاہیے۔ پہلے والے افسر نے تو میری آدھی جان نکال لی تھی۔"

"یہ مشورہ میرے وکیل نے دیا تھا۔" عامر سہیل نے کہا "بہر حال اللہ کا شکر ہے کہ ہماری عزت بچ گئی۔ اچھا سنو! کل رات کا کھانا میرے ساتھ کھانا اپنی دوست کو بھی لے آنا۔"

"دعوت؟"

"صرف تمہاری اور تمہاری دوست کی اور کوئی نہیں ہو گا۔"

"اللہ آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں، آپ کیسے انتظام کریں گے۔ آپ کی تو بیوی بھی نہیں ہیں یہاں۔"

"بیوی ہوتی تو پھر گھر میں دعوت نہ ہو سکتی۔"

"اچھا کیا آپ کی بیوی بہت غصے والی ہیں؟"

"غصے والی بھی ہیں اور خوفناک بھی ابھی تھوڑی دیر پہلے اس نے فون کیا تھا۔"

"کیا باتیں ہوئیں؟"

"بہت دلچسپ۔ باتوں باتوں میں ہمارے درمیان ایک شرط لگ گئی ہے۔"

"مجھے بھی بتائیں کیا شرط لگی ہے؟"

"میں نے اس سے مذاق میں کہا کہ میں دوسری شادی کر رہا ہوں۔ کہنے لگی کوئی لڑکی دس جوتے بھی نہیں مارے گی۔ منہ دھو رکھو۔"

"اللہ آپ تو بہت سوئیٹ ہیں۔" شرمین کی مترنم آواز کانوں میں رس گھول گئی۔ یہ سن کر عامر سہیل جھوم گیا۔ اسے اپنی منزل کچھ اور قریب نظر آنے لگی۔ بولا۔

"اب ہمارے درمیان شرط لگ گئی ہے۔ میرا کہنا ہے کہ مجھے اب بھی اچھا رشتہ مل سکتا ہے اور شازیہ کا کہنا ہے کہ نہیں مل سکتا۔ وہ دوسری شادی کی تحریری اجازت دینے پر بھی تیار ہو گئی۔"

"کیا آپ واقعی سیریس ہیں؟"

عامر سہیل نے دل میں کہا۔ تم سے ملنے کے بعد کون سنجیدہ نہیں ہو گا اور اونچی آواز میں کہا "کیا مجھے زندگی کی خوشیاں حاصل کرنے کا حق نہیں ہے؟"

"تو پھر دیکھیں کوئی لڑکی؟" شرمین نے کہا۔ "اپنی پسند کے بارے میں بتا دیں۔" عامر سہیل نے دلی زبان سے کہا "کوئی تمہارے جیسی مل جائے تو اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھوں گا۔"

دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ عامر سہیل سمجھا کہ شرمین ناراض ہو گئی ہے۔ اسے اپنی جلد بازی پر افسوس ہوا۔ "ہیلو ہیلو شرمین!" اس نے کہا۔

"جی۔" شرمین نے ہولے سے کہا۔

"چپ کیوں ہو گئیں۔"

"بس یونہی۔"

"کیا میں نے کوئی غلط بات کہہ دی۔"

"شاید۔"

"کل آ رہی ہو نا؟"

"کتنے بجے؟" شرمین نے پوچھا۔ اس کی شوخی معدوم ہو گئی تھی۔

"یہی سات بجے تک آ جانا۔"

"اچھا خدا حافظ۔" اس نے اچانک فون بند کر دیا۔

عامر سہیل تذبذب کا شکار ہو گیا۔ وہ شرمین کے رد عمل کا اندازہ نہیں کر سکا تھا۔

اگلے روز انوری آٹھ بجے بنگلے پر پہنچ گئی۔ عامر سہیل اس وقت ناشتا کر چکا تھا۔ اس نے انوری کے مشورے سے سامان کی فہرست تیار کی اور کار میں بیٹھ کر مارکیٹ چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد انوری نے سارے گھر کی صفائی کی اور پھر باورچی خانے میں کام شروع کر دیا۔ اچانک اس کی نظر کونے میں پڑی ہوئی پرانی سی سینڈل پر پڑی۔ تو وہ بری طرح چونک پڑی۔

اتوار کے روز وہ اس اکلوتی سینڈل کو وہیں بھول گئی تھی۔ حالانکہ اسے وہاں چھوڑ کر جانا مناسب نہیں تھا۔ اس نے کام چھوڑ دیا اور سینڈل کو ایک پرانے اخبار میں لپیٹ کر برتنوں کے ریک نیچے گھسیڑ دیا۔ وہ ایک دروازے کے سامنے والی دیوار کے ساتھ رکھا تھا۔

کچھ دیر کے بعد انوری کسی کام سے باہر گئی۔ پھر جب واپس آئی تو سب سے پہلے اس کی نظر اپنے سینڈل پر پڑی۔ اخبار کھل گیا تھا۔ اور سینڈل صاف نظر آ رہی تھی۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا برتن رکھ دیا اور دوڑ کر سینڈل اٹھائی۔ اس سینڈل کو دیکھ کر اتوار کی صبح والا منظر ایک بار پھر اس کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا تھا۔

وہ اس دن کو اور اس منظر کو بھول جانا چاہتی تھی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا تو کچرے کے ڈبے میں اسے ایک استعمال شدہ بھورے رنگ کا لفافہ نظر آیا۔ وہ آگے بڑھی اور لفافہ اٹھا کر جوتی اس کے اندر ڈال دی پھر پچھلا دروازہ کھول کر گلی میں گئی اور لفافے میں لپٹی ہوئی جوتی کچرے کے ڈرم میں پھینک دی۔

چند قدم واپس چلنے کے بعد اسے خیال آیا کہ لفافے پر تو عامر صاحب کا ایڈریس لکھا ہوا تھا۔ کیا کوئی بھی اس جوتی کو دیکھ کر سمجھ سکتا تھا کہ وہ جوتی کس کے گھر سے آئی تھی۔ یہ خیال آتے ہی وہ واپس مڑی اور کچرے کے ڈرم کے اندر سے جوتی کا پارسل نکال لائی۔ واپس آ کر اس نے لفافہ کچرے کے ڈبے میں ڈال دیا اور جوتی ہاتھ میں پکڑ کر سوچنے لگی کہ اسے کیسے ٹھکانے لگائے تب ہی عامر سہیل سامان کی ٹوکری اٹھائے ہوئے باورچی خانے میں داخل ہوا اور انوری کے ہاتھ میں جوتی دیکھ کر بولا۔

"انوری کیا بات ہے؟ اس سینڈل کا اتنے غور سے کیوں معائنہ کر رہی ہو۔"

"جج ۔۔۔ جی جی کیا کہا؟" انوری بری طرح چونک گئی۔

"یہ وہی سینڈل تو نہیں جس کا ایک پیر تم اس روز کچرے کونڈے سے اٹھا لائی تھیں؟"

"وہی ہے جی۔"

"اسے پھینک دو اور بھول جاؤ۔" عامر سہیل ٹوکری رکھتا ہوا بولا۔ "یوں بھی اس کی معیاد ہو چکی ہے۔"

"ٹھیک ہے جی ٹھیک ہے۔ میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔"

"میرے لیے چائے بنا لاؤ۔ میں اسٹڈی روم میں جا رہا ہوں۔"

انوری نے سینڈل کچرے کے ڈبے میں پھینک دی اور ٹوکری کے سامان کا جائزہ لینے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے چائے بنائی اور ٹرے میں رکھ کر اسٹڈی روم میں پہنچ گئی۔

عامر سہیل نے کتاب ہاتھ سے رکھ دی اور گہری نظروں سے انوری کی طرف دیکھنے لگا۔ اسے خیال آیا کہ انسان کی ذرا سی بھول اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہے۔ اگر یہ عورت ایک مسٹر کوی کی محبت میں گرفتار نہ ہوتی تو آج ایک لیڈی ڈاکٹر ہوتی اور معاشرے میں اس کا ایک معزز مقام ہوتا۔

جب وہ ٹرے رکھ کر جانے لگی تو عامر سہیل نے کہا۔ "انوری! جاؤ ایک پیالی اور لے آؤ۔ آج تم بھی میرے ساتھ چائے پیو۔"

"نہیں جناب! میں آپ کی برابری نہیں کر سکتی۔" انوری نے لجاجت سے کہا۔

"کیوں؟ میرے اندر کون سی خاص بات ہے؟"

"آپ مالک ہیں میں ملازم ہوں۔"

"صرف مالک ہونا کوئی فضیلت کی بات نہیں ہے۔ جاؤ کپ لے آؤ۔" پھر وہ انوری کو تذبذب میں دیکھ کر بولا۔ "چلو تو یوں کرتے ہیں کہ میں مالک ہونے کی حیثیت سے تمہیں حکم دیتا ہوں کہ آج تم میرے ساتھ چائے پیو۔ دراصل میں تم سے کچھ باتیں بھی کرنا چاہتا ہوں۔" انوری باورچی خانے میں سے ایک اور کپ لے آئی۔

"بیٹھو ۔۔۔" عامر سہیل نے کہا۔ "ایک کپ میرے لیے بناؤ اور ایک کپ اپنے لیے۔" انوری تامل کرتی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی اور چائے بنانے لگی۔

"جیسا کہ میں نے کہا تھا میں تمہیں آج سرپرائز دینا چاہتا ہوں۔" عامر سہیل اس کے ہاتھ سے کپ لیتا ہوا بولا۔ "کوئی آدمی اپنے کام کی وجہ سے چھوٹا یا بڑا نہیں ہوتا۔ نہ ہی دولت کی وجہ سے کوئی بڑا بنتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ میرے پاس دولت ہے اور میں اس سے زندگی کی تمام آسائشیں خرید سکتا ہوں۔ لیکن اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے۔ کیونکہ مجھے یہ کثیر دولت ورثے میں ملی تھی۔ تاہم اگر میں نے خود بھی یہ دولت کمائی ہوتی۔ تو کوئی تعریف کی بات نہ ہوتی ہر جاندار اپنی بقاء کے لیے محنت کرتا ہے۔ تعریف اور بڑائی اس وقت شروع ہوتی ہے۔ جب انسان دوسروں کے لیے کچھ کرتا ہے۔

بہرحال یہ تو ضمنی بات تھی۔ اصل بات یہ ہے کہ چند روز پہلے میں اس مصیبت میں پھنس گیا تھا اور میں نے اپنے دل میں یہ عہد کیا تھا کہ اگر اس مصیبت سے بچ نکلا تو کچھ رقم راہ خدا میں خرچ کروں گا۔ اللہ کے فضل سے میں اس مصیبت سے بچ گیا ہوں۔"

"کیا ہوا تھا جی؟" انوری نے پوچھا۔

"بس یہ مت پوچھو۔ اللہ نے عزت بچالی کل میں نے تمہارا گھر دیکھا تو مجھے بہت دکھ ہوا کہ تم کتنی تنگ جگہ پر رہتی ہو۔ لہٰذا میں نے اپنے خرچ پر تمہارے گھر کو ٹھیک کرانے کا فیصلہ کیا ہے۔"

"آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں جی!"

عامر سہیل اسے نظر انداز کرتا ہوا بولا "ایک دو روز میں ٹھیکیدار کو تمہارے گھر بھیج دوں گا۔ وہ تمام کام کا تخمینہ لگا کر مجھے دے دے گا۔ اس میں پلستر، روغن، سینٹری فٹنگ اور بجلی کی فٹنگ شامل ہو گی۔ کنکشن کے سلسلے میں وہ خود ہی بجلی کے محکمے سے نمٹ لے گا۔"

"اس پر تو بہت پیسے خرچ ہوں گے جی؟"

"پیسے ہی تو خرچ ہوں گے میں تو نہیں خرچ ہو جاؤں گا۔ اس کے علاوہ تمام فرنیچر بھی نیا خریدا جائے گا۔ تم یا تو ٹھیکیدار کے ساتھ خود چلی جانا اور یا فہرست بنا کر اس کے حوالے کر دینا ۔۔۔ بس کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ نے مجھے مصیبت سے بچایا ہے اور میں اس کے شکرانے کے طور پر یہ سب کچھ کر رہا ہوں۔"

"اللہ آپ کو جزائے خیر دے جی۔"

"آج تم کو ایک اور کام بھی کرنا ہے لیکن ایک بتاؤ بدری شادی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"یہ بات آپ پہلے بھی پوچھ چکے ہیں۔"

"لڑکی کی مرضی معلوم ہونی ضروری ہے۔ اگر لڑکی راضی نہ ہوئی۔ تو ماں باپ سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ ویسے لڑکی کا باپ فوت ہو چکا ہے۔ میں نے اشاروں میں اس سے بات کی تھی۔ لیکن اس نے نہ تو انکار کیا اور نہ ہی اقرار اس کی باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ لڑکی مجھے پسند کرتی ہے۔"

"اگر بیگم صاحبہ کو پتہ چل گیا کہ میں نے اس کام میں آپ کی مدد کی ہے تو وہ میری کھال کھینچ لیں گی۔"

"پتہ کیسے چلے گا۔ نہ تم بتاؤ گی اور نہ میں بتاؤں گا۔ لڑکی کی باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ خود مختار ہے۔ اگر وہ راضی ہو گئی تو اس کے گھر والے بھی راضی ہو

جائیں گے۔ آج میں نے اسی لڑکی کی دعوت کی ہے۔ میں اسے الگ مکان لے کر دوں گا۔ جو اسی کے نام پر ہوگا۔ اس کے علاوہ اس کے نام سے الگ کاروبار شروع کر دوں گا۔ جس کی وہ بلا شرکت غیر مالک ہوگی۔ کوشش یہی کروں گا کہ دونوں بیویوں کا عام طور پر آمنا سامنا نہ ہو۔"

"دیکھیں جی یہ بہت نازک معاملہ ہے۔"

"انوری بیگم دل کا معاملہ اس سے بھی زیادہ نازک ہے۔ اس لڑکی نے مجھ پر جادو کر دیا ہے۔ اس کے بغیر میں خود کو ادھورا محسوس کرنے لگا ہوں۔ پتا نہیں کیوں مجھے یقین ہے کہ تم میرا یہ کام کر سکتی ہو۔"

"اچھا جی کوشش کروں گی۔" انوری نے کہا۔

چائے ختم کرنے کے بعد اس نے برتن اٹھائے اور باورچی خانے میں چلی گئی۔

شام کے ساڑھے چھ بجے شرمین اپنی دوست ثمینہ کے ہمراہ عامر سہیل کے گھر پہنچ گئی۔ وہ جامنی رنگ کے پرنٹڈ سوٹ میں بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ انہیں ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے بمشکل پانچ منٹ ہوئے تھے کہ اطلاعی گھنٹی بجی۔ عامر سہیل نے کھڑکی کا پردہ تھوڑا سا ہٹا کر باہر دیکھا۔ تو ایک دم گھبرا گیا۔ دروازے پر کرائمز برانچ کا انسپکٹر اورنگ زیب کھڑا تھا۔

"انسپکٹر اورنگ زیب ہے۔" عامر سہیل نے ہولے سے شرمین کو بتایا۔ "پتا نہیں اس وقت کیوں آیا ہے۔ تم دونوں دوسرے کمرے میں بیٹھو۔"

وہ دونوں لڑکیوں کو لے کر اسٹڈی روم کی طرف جا رہا تھا تو لاؤنج میں انوری سے سامنا ہو گیا۔ انوری کو دیکھتے ہی دونوں لڑکیوں پر گویا سکتہ طاری ہو گیا۔ اور انوری بھی پھٹی پھٹی نظروں سے دونوں کی طرف دیکھنے لگی۔ عامر سہیل کی سمجھ میں نہیں آیا کہ معاملہ کیا ہے۔ اس نے تعارف کرانے کا ارادہ کیا لیکن شرمین کے منہ سے نکلنے والا پہلا لفظ سنتے ہی وہ دم بخود رہ گیا۔ یہ بھی بھول گیا کہ باہر انسپکٹر کھڑا ہے۔

"امی!" شرمین نے کپکپاتی آواز میں کہا تھا۔ "آپ یہاں؟"

"عامر صاحب!" انوری نے کہا۔ "آپ نے ٹھیک کہا تھا۔ یہ لڑکی واقعی خود مختار ہے کسی زمانے میں اس کی ماں بھی خود مختار تھی۔ جس جہنم سے میں گزر رہی ہوں اسی جہنم میں یہ بھی پڑنا چاہتی ہے۔"

اطلاعی گھنٹی پھر بجی۔

"انوری کیا یہ تمہاری بیٹی ہے؟" عامر سہیل نے پوچھا۔

"ہاں یہ مجھ بد نصیب کی بیٹی ہے۔ میں خود ڈاکٹر نہیں بن سکی لیکن میں نے سوچا اپنی بیٹی کو ضرور ڈاکٹر بناؤں گی۔ مگر۔۔۔ آہ! بیٹی کس کی ہے۔ جو ماں نے کیا وہی بیٹی کرے گی۔ میں تو یہ بھول بھی نہیں سکتی۔"

اطلاعی گھنٹہ پھر سنائی دی۔

"اوہ۔۔۔۔" عامر چونکتا ہوا بولا۔ "باہر انسپکٹر کھڑا ہے۔ تم لوگ بیٹھو میں اسے فارغ کر کے آتا ہوں۔"

وہ ڈرائنگ روم سے ہوتا ہوا داخلی کمرے میں گیا۔ اور دروازہ کھول دیا "سوری!" اس نے کہا۔ "میں باتھ روم میں تھا۔"

انسپکٹر اورنگزیب اس کے ہاتھ کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "عامر سہیل صاحب! بے وقت پریشان کرنے پر معذرت چاہتا ہوں چند منٹ سے زیادہ نہیں لوں گا۔"

عامر سہیل اسے ڈرائنگ روم میں لے گیا اور صوفے پر بٹھانے کے بعد بولا۔ "آپ کے لیے چائے بناؤں؟"

"نہیں شکریہ۔" انسپکٹر نے کہا۔ "آپ سمجھ ہی گئے ہوں گے کہ میں شباب کے قتل کے سلسلے میں حاضر ہوا ہوں۔"

"قاتل کا کچھ پتہ چلا؟"

"ابھی نہیں۔ لیکن بہت قریب پہنچ گئے ہیں۔ کسی زمانے میں قاتلوں اور ڈاکوؤں کی گرفتاری کے سلسلے میں کھوجی بہت اہم کردار ادا کرتے تھے۔ لیکن اب سڑکوں اور شہروں کی وجہ سے کھوجیوں کا زمانہ نہیں رہا۔ ایک گھنٹے کے اندر جائے واردات کے آس پاس سے سیکڑوں گاڑیاں ادھر سے ادھر چلی جاتی ہیں۔ کچھ

نہیں کیا جا سکتا کہ قاتل کسی کار، بس یا ٹیکسی میں بیٹھ کر کس طرف گیا ہے۔"

اس نے اپنے پرانے سے چرمی بیگ سے کاغذ میں لپٹی ہوئی کوئی چیز نکالی اور اسے کھولنے لگا۔ "یہ ایک پرانی سینڈل ہے۔ شاید آپ اسے پہچانتے ہوں۔"

عامر سہیل نے اسے فوراً پہچان لیا۔ کیونکہ وہ صبح ہی اس کا دوسرا پیر دیکھ چکا تھا۔

"یہ ہماری ملازمہ کی سینڈل ہے۔" اس نے کہا۔

"چند روز پہلے کوئی کتا اس کے پیچھے پڑ گیا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ دوڑتے ہوئے گر پڑی اور ایک سینڈل اس کے پیر سے اتر گئی۔"

"عامر سہیل صاحب! آپ نے تو سارا مسئلہ ہی حل کر دیا۔ وہ ملازمہ اس وقت کہاں مل سکتی ہے؟"

"اس وقت وہ گھر پر ہی ہے۔ کھانا پکا رہی ہے۔ لیکن آپ کو یہ کیسے پتہ چلا کہ یہ ہماری ملازمہ کی سینڈل ہے؟"

"ایک اخبار فروش نے اتفاق سے ایک ایسی عورت کو آپ کے گیٹ میں گھستے دیکھا تھا۔ جو ایک پیر سے لنگی تھی۔ ذرا اس کو بلائیں تو۔ ایسا کریں اسے کہیں ایک گلاس پانی لے آئے۔"

عامر سہیل دروازے تک گیا اور انوری کو پانی کا کہہ کر واپس آ گیا۔ چند لمحے بعد انوری پلیٹ میں پانی کا گلاس رکھے کمرے میں داخل ہوئی۔ عامر سہیل نے دیکھا کہ اس کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا اور اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

"گلاس میز پر رکھ دو۔" انسپکٹر نے کہا۔ "اور یہاں قالین پر بیٹھ جاؤ۔" انوری نے گلاس میز پر رکھ دیا اور تھوک نگلتی ہوئی قالین پر بیٹھ گئی۔

"یہ سینڈل تمہاری ہے؟" انسپکٹر نے پوچھا۔

انوری کے چہرے پر دہشت نمودار ہو گئی وہ پھٹی پھٹی نظروں سے سینڈل کو دیکھتی رہی۔ پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"دیکھو بی بی! میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔" انسپکٹر اور نگزیب نے نرمی سے کہا۔ "گھبراؤ نہیں میں تمہیں

☆ زندگی میں قول و فعل میں تضاد رکھنے والا شخص کبھی آپ سے مخلص نہیں ہو سکتا ہے۔

☆ کسی انسان کو جانچنے کے لیے ہمیشہ اس کی چھوٹی چھوٹی باتیں نوٹ کریں۔

☆ یہ کوئی بات خاص نہیں کہ آپ کو کس کی تلاش ہے بلکہ خاص بات تو یہ ہے کس کو آپ کی تلاش ہے۔

☆ زندگی میں شاندار کامیابی حاصل کرنے کے لیے ایک جنون چاہیے جو کسی اور جگہ سے نہیں بلکہ انسان کے اپنے اندر ہی سے پیدا ہوتا ہے۔

☆ مجھے ہمیشہ حسن کی کشش سے شرم کی کشش زیادہ محسوس ہوتی ہے۔

☆ اہل ہمت کے پاس مقاصد ہوتے ہیں اور عام لوگوں کے پاس خواہش۔

☆ ہم اپنی امیدوں کے سہارے وعدے کرتے ہیں مگر اندیشوں کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

☆ وفا کے پھول برساتے رہو تاکہ تمہیں کوئی نفرت کے شعلوں میں نہ جلا سکے۔

☆ اپنی مصیبت کا حال ہر انسان سے بیان نہ کر کیونکہ اس کے اظہار سے دو نقصان ہیں سلامت دوستاں، مسرت دشمناں۔

کچھ نہیں کہوں گا۔ جو کچھ ہو چکا ہے۔ وہ بدل نہیں سکتا۔ ہم تم پر کوئی سختی نہیں کریں گے۔ صرف اتنا بتا دو کہ تم نے شہاب کو کیوں قتل کیا؟"

انوری چند لمحوں تک سکتے کے عالم میں بیٹھی رہی۔ پھر وہ انسپکٹر کے پیروں میں گر گئی اور رونے اور گڑگڑانے لگی۔ انسپکٹر خاموش بیٹھا رہا۔ شرمین اور ثمینہ بھی ڈرائنگ روم میں پہنچ گئیں۔ جب شرمین کو پتہ چلا کہ شہاب کو اس کی ماں نے قتل کیا ہے تو وہ بھی رونے لگی۔

بالآخر انوری نے جو اقبالی بیان دیا وہ بہت مختصر تھا۔ شہاب کے گھر میں کام کرتی تھی۔ شہاب نے ایک روز شرمین کو دیکھ لیا اور اس کا دیوانہ ہو گیا۔ دونوں چوری چھپے ملنے لگے۔ انوری کو جب اس صورت حال کا پتہ چلا تو اس نے شہاب کے گھر کام کرنا چھوڑ دیا اور شرمین کو سختی سے سمجھا دیا کہ وہ اپنی زندگی خراب نہ کرے اور شہاب سے ملنا جلنا ترک کر دے۔

لیکن شرمین باز نہ آئی۔ بلکہ اس نے شہاب سے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور انوری کو مجبور کرنے لگی کہ وہ اس معاملے میں اس کا ساتھ دے۔ ورنہ وہ کورٹ میرج کرے گی۔ انوری کی اپنی زندگی اسی طرح تباہ ہو چکی تھی۔ اس لیے اس نے کوئی صورت نہ دیکھ کر شہاب کو ٹھکانے لگا دیا۔ وہ شہاب کے ساتھ اس کی بیوی کو بھی قتل کرنا چاہتی تھی۔ تاکہ قتل کا کوئی گواہ نہ رہے۔ لیکن اتفاق سے شہاب کی بیوی اس رات رشتے داروں کے ہاں گئی ہوئی تھی۔

اس لیے بچ گئی۔ جب وہ شہاب کو قتل کر کے باہر نکلی تو عین اسی وقت دودھ والے نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ دیوار پھاند کر اندر داخل ہوئی تھی اور دروازے کے راستے باہر جانا چاہتی تھی۔ لیکن عین موقعے پر دودھ والے کی آمد کے باعث گھبرا گئی اور دوسری طرف کی دیوار پھاند کر باہر نکل گئی۔ لیکن عجلت میں نہ صرف اس کی سینڈل اندر گر گئی بلکہ پیر میں چوٹ بھی آئی۔

سہیل کا گھر قتل والے مکان سے بند پڑا تھا۔ اس لیے سینڈل پولیس کے ہاتھ لگ گئی۔ ورنہ کوئی عجب نہ تھا کہ صفائی کرتے وقت سینڈل کو کچرے میں پھینک دیا جاتا اور انوری صاف بچ جاتی۔ جب انسپکٹر انوری کو لے کر تھانے جانے لگا تو اس نے کہا۔

"میں اپنی بیٹی سے علیحدگی میں بات کرنا چاہتی ہوں۔"

انسپکٹر نے قدرے تامل کے بعد اجازت دے دی۔ انوری شرمین اور عامر سہیل کو الگ کمرے میں لے گئی اور عامر سہیل سے مخاطب ہو کے بولی۔

"عامر سہیل صاحب! اگر میں گرفتار نہ ہوتی تو شہاب کی طرح آپ کو بھی قتل کر دیتی لیکن اب میں آپ کو شرمین سے شادی کی اجازت دیتی ہوں۔ بلکہ آپ کی منت کرتی ہوں کہ آپ اس لڑکی سے شادی کر لیں ورنہ یہ آوارہ ہو جائے گی۔"

"امی!" شرمین تڑپ کر بولی۔ "آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔"

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ عامر سہیل صاحب تم سے شادی کرنا چاہتے ہیں یہ آج میرے ذریعے تمہیں شادی کا پیغام دینا چاہتے تھے۔"

"انوری! یہ ان باتوں کا وقت نہیں ہے۔" عامر سہیل نے کہا۔

"یہی تو وقت ہے ان باتوں کا۔" انوری روتی ہوئی بولی۔

"میرے بعد کون میرے بچوں کی سرپرستی کرے گا۔ پولیس صاحب! جی آپ اس بدنصیب لڑکی سے شادی کر لیں گے نا؟"

عامر علی پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے سوچا اگر میں نے ایک قاتلہ کی بیٹی سے شادی کر لی تو معاشرے میں میرا کوئی مقام نہیں رہے گا۔ تب اس نے نظر اٹھا کر شرمین کی جانب دیکھا تو وہ اسے بالکل معمولی اور بے اہمیت لڑکی معلوم ہوئی لوگوں کے گھروں میں برتن مانجھنے والی ایک معمولی عورت کی بیٹی۔

"انوری" "م" "م" میں شرمین سے ضرور شادی کر لیتا لیکن میری اور اس کی عمر کا فرق بھی تو دیکھو۔"

اور انوری حیرت سے آنکھیں پھیلا کر عامر سہیل کو گھورنے لگی۔

"معصوم صاحب!" شرمین اپنے غصے کو دباتی ہوئی بولی "آپ کو بہت دیر بعد پتا چلا کہ آپ رانگ نمبر پر بات کر رہے ہیں۔"

اتنے میں انسپکٹر اورنگزیب دروازے میں نمودار ہوا اور انوری کا انتظار کرنے لگا۔